قرآنی طرزِ زندگی کی ضرورت عصر حاضر کے تناظر میں

شجاعت حسین[1]

خلاصہ

خداوندِ عالم نے انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی یہ بتادیا کہ وہ اس دنیا میں زندگی کیسے گزارے گا؟ آکوئی روش تو ہو جس کی پیروی کرتے ہوئے وہ اس زندگی سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے اور اس دنیا میں ایک احسن اور قابلِ نمونہ زندگی بسر کر سکے۔ اسی مقصد کے حصول کے لیے قرآن کی رو سے زندگی کے اصول و قواعد کو بیان کرنا مقصود ٹھہرا ہے۔ آج کی اس جدید دنیا میں جہاں اور بہت سے زندگی گزارنے کے طاغوتی نظام ہیں جو انسان کی مقدس اور با مقصد زندگی کو جہنم کے دھانے تک پہنچانے کے لیے کافی ہیں وہاں قرآن بھی اپنی طرزِ زندگی کا پتہ چلے اور انسان کامیاب ٹھہرے۔ قرآن پاک کی سورہ انعام میں ۱۵۲، ۱۵۳ آیات میں زندگی کی ان خصوصیات کا ذکر ہے، جو رسول اکرم ﷺ نے ایک عرب بدو کو تعلیم دیں، ان آیات میں اللہ تعالی نے دس ایسے نکات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو کسی بھی معاشرے کے لیے ضابطے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بہترین معاشرے کے قیام کے لیے ان دس نکات کو مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس مقالہ میں قرآنی معاشرہ کے نظریات پر بحث کریں گے، اسی طرح قرآنی طرز زندگی میں معاشرتی معاملات کو منظم کرنے کے لیے کیا رہنمائی کی گئی ہے؟ اسے جاننے کی کوشش کریں گے۔ اس سے ہمیں رہنمائی ملے گی کہ اگر آج ہم انفرادی یا اجتماعی زندگی کو بہتر بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں کون سے اقدامات کرنا ہوں گے۔

اہم الفاظ: قرآنی نظام، نمونہ، والدین، پہلو، زندگی، شریک

مقدمہ

خالقِ کائنات نے کائنات کو خلق کر کے اس میں اپنی پیاری مخلوق حضرتِ انسان کو اس میں رکھا تا کہ وہ اس کائنات کو بسائے اور اس میں موجود نظام (نظامِ شمسی) کے مطابق اپنی زندگی گزارے، ایک انسان سے جب دو خلق ہوئے تو ان میں احتیاج پیدا ہو گئی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے، دو سے تین، تین سے

[1]۔ کارشناسی، رشتہ: فقہ و معارف

چار اور پھر ایک پوری دنیا آباد ہو گئی، اس دنیا میں رہنے والے انسان اگر خود غرض اور خود پسند ہوتے تو اس دنیا کا نظم و نسق فنا ہو کر رہ جاتا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان احتیاج کو رکھا، تاکہ حضرت انسان آپس میں مل کر رہیں اور وقت آنے پر ایک دوسرے کی مدد کریں اور اسی نظام کو معاشرہ کہا جاتا ہے، اور انسان کو انسان کہنے کی بھی شاید یہی وجہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ انس و محبت سے رہے اور ایک دوسرے کی ذمہ داریوں کا خیال رکھے، اور انکے دکھ درد میں شریک ہو، بقول شاعر:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو

معاشرہ چند آئین و دساتیر کا مجموعہ ہوتا ہے جس میں ہر شخص فرداً فرداً اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ ہوتا ہے اور اس معاشرے کو خوب سے خوب تر بنانے کی سعی و کوشش کرتا ہے۔ اس تمام جدوجہد میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ قوانین و دساتیر کس نے مرتب کیے ہیں اور ان دساتیر کا مقصد نہائی کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے انسان کی خلقت کے ساتھ ہی اس کی ہدایت کی ذمہ داری اٹھاتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو خلق کیا اور اسی کے ساتھ ان میں سے کچھ انبیاء علیہم السلام کو قوانین کی کتب عطا فرمائیں تاکہ حضرتِ انسان ان قوانین کو پڑھ کر اور انبیاء علیہم السلام سے ہدایت لے کر اپنی زندگی کو احسن بنا سکے اسی طرح قرآن نے بھی زندگی کے قوانین کو بیان کیا ہے جو کہ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ کی زبانِ وحی کو مس کرتے ہوئے ہم تک پہنچے ہیں اور ان قوانین کو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مختلف سورہ ہائے میں بیان فرمایا ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ آج کے اس پُرآشوب زمانے میں جہاں اور بہت سے طاغوتی نظام ہائے زندگی (یورپی نظامِ زندگی و امریکی نظامِ زندگی) موجود ہیں، وہاں ہمیں اس نظامِ زندگی کو بھی آشکار کرنا چاہیے کہ جس کے مطابق ایک انسان عمل کر کے اپنی دنیا و آخرت کو بہتر بنا سکتا ہے۔ قرآن مجید میں مختلف جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کو بیان فرمایا، مگر سورہ انعام کی آیات ۱۵۱، ۱۵۲ میں اللہ تعالیٰ نے دس نکات میں ان تمام قوانین کو بیان فرما دیا ہے جو ایک متدین اور الٰہی زندگی کا خاصہ ہیں۔ ان قوانین کو اگر ترتیب دی جائے تو یہ تین طرح کے نظام بنتے ہیں جن پر انسان کی مکمل زندگی منحصر ہے، جو کہ مذہبی، معاشرتی اور عدل و انصاف کا نظام ہے۔

باب اول: قرآن:

قرآن اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جو آخری نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی اس کے نزول کا زمان ۲۳ سال کے لگ بھگ ہے اور یہ کتاب ایک ایسے معاشرے میں نازل ہوئی جو جہالت کے ان قیر گوں تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے کہ اپنی پیدا کردہ اولاد کو زندہ در گور کردیتے تھے، آدم کجا آدمیت کی دھجیاں بکھیرتے تھے اخلاقیات کے جنازے نکالتے تھے۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے مرسل آخر ﷺ نے وہ کام کیا کہ وہ عرب معاشرہ دنیا کو تہذیب و اخلاق کا درس دینے لگا۔ یہ سب اثر اس ختم الرسل ﷺ اور اس کی آخری کتاب کا تھا۔ جس کا نام قرآن مجید ہے۔

قرآن لغت میں:

اس آسمانی کتاب کے سارے ناموں یا صفات میں قرآن کا لفظ ہی زیادہ رواج پا گیا ہے اور ساری دنیا میں خدا کی کتاب کے لیے یہی نام زیادہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ دوسرے ناموں سے پہلے ہم اسی نام کو خود قرآن مجید کی آیات سے، روایات سے اور احادیث اور اسلامی دانشوروں اور علماء کے ہاں مستشرقین کے نقطہ نظر سے بھی دوسرے ناموں سے پہلے زیر غور لاتے ہیں۔ اس کتاب کو یہ نام پیغمبر اکرم ﷺ یا صحابہؓ نے نہیں دیا، خداوند تعالیٰ نے خود اس آسمانی کتاب کا نام قرآن رکھا ہے۔ چنانچہ نزول وحی کے شروع سالوں میں ہی فرمایا:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ[1]

بلکہ یہ قرآن بلند پایہ ہے۔ لوح محفوظ میں (ثبت) ہے۔

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ O فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ[2]

کہ یہ قرآن یقیناً بڑی تکریم والا ہے، جو ایک محفوظ کتاب میں ہے۔

اسی طرح ایک جگہ اس طرح بھی فرمایا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ O قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا O نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا O أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا[1]

---

[1] ۔البروج ۲۲،۲۱

[2] ۔مزمل ۷۸،۷۷

اے کپڑوں میں لپٹنے والے ! رات کو اٹھا کیجیے مگر کم، آدھی رات یا اس سے کچھ کم کر لیجیے، یا اس پر کچھ بڑھا دیجئے اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجیے۔[1]

اے چادر میں لپٹے ہوئے (ﷺ) تم رات کو اٹھا کرو تو تھوڑا اٹھا کرو اس رات کا نصف یا اس سے تھوڑا کم کر دو یا اس پر زیادہ کر دو اور تم قرآن کھول کھول کر ترتیل کے ساتھ پڑھو۔

پورے قرآن میں لفظ قرآن ۶۸ بار آیا ہے ان ۶۸ بار میں دو مرتبہ مجازاً نماز کے لیے استعمال ہوا ہے علمائے اسلام میں اس لفظ کے تلفظ اشتقاق اور معنی میں مکمل ہم آہنگی نہیں ہے، ہر شخص ایک طور پر اس کا تلفظ کرتا ہے اور اس کی دلیل پیش کرتا ہے اس میں سے بعض اس کو ہمزہ کے ساتھ یعنی قران کہتے ہیں، بعض بغیر ہمزہ کے یعنی قرآن کہتے ہیں، اہل تسنن اس کو کریم کی صفت کے ساتھ پکارتے ہیں یعنی القراان الکریم۔ اکثر اہل تشیع اس کے لیے صفت مجید استعمال کرتے ہیں اور قرآن مجید کہتے ہیں۔

لغت کی مختلف کتابوں میں لفظ قرآن کے مختلف معانی حاصل ہوتے ہیں

۱۔ صاحب معجم الصحاح نے قرآن کی تعریف حضرت ابو عبیدہ سے یوں نقل کی ہے:

قال ابو عبیده سمی القرآن لانه یجمع السورفیضمها،وقوله التعالیٰ ان علینا سمعه وقرآنه[۲]

۲۔ معجم المقاییس فی اللغہ میں درج ہے کہ:

القرآ ن کانه سمی بذلک لجمعه ما فیه من الاحکام و القصص وغیر ذلک[۳]

۳۔ معجم الوسیط میں اس کی تعریف یوں آئی ہے:

محمد ﷺ پر نازل ہونے والا کلام جو کہ مصاحف میں مکتوب ہے قرآن کہلاتا ہے۔[۴]

قرآن اصطلاح میں:

کتاب التعریفات میں قرآن کی تعریف اس طرح درج ہے:

---

[۱]۔ المزمل، ۴،۳،۲، ۱

[۲]۔ امام اسماعیل بن حماد الجوھری، معجم الصحاح، ص ۸۴۵

[۳]۔ احمد بن فارس بن زکریا، معجم المقاییس، ص ۸۸۴

[۴]۔ ابراہیم مصطفیٰ و دیگران، معجم الوسیط ص ۸۷۲

القرآن هو المنزل على الرسول ﷺ المكتوب فى المصاحف المنقول عنه نقلاً متواتراً بلا شبهة، والقرآن عند اهل الحق هو العلم اللدنی الاجمالی الجامع للحقائق کلها، احکام القرٰن:قد اشتمل القرآن علی احکام کثیر متنوعه یمکن تقسیمها الی ثلاثة اقسامٍ:

۱-احکام متعلقة بالعقیدة : کا لایمان باللہ وملائکته و کتبه و رسله و الیوم الاخر-

۲-احکام تتعلق بتهذیب النفس وتقویمها:وهذه هی الاحکام الاخلاقیه

۳-احکام عمله متعلقه باقوال و افعال المتکلفین: وهی المقصودة بالفقه-[1]

قرآن کی خصوصیات:

قرآن کے مفہوم کو لغت میں دیکھنے کے بعد ہم اس قابل ہوگئے ہیں کہ اس مصحف کے نزول کے مقصد کو درک کر سکیں اور اس کے ذریعے اپنے مقاصد کو حاصل کر سکیں۔

اب ہم اس مصحفِ آخر کی ان خصوصیات کو ذکر کرتے ہیں جو اس مصحف کے ساتھ مخصوص ہیں:

پہلی خصوصیت:

قرآن کریم بلاغت کے اس اعلیٰ معیار پر پہنچا ہوا ہے کہ جس کی مثال انسانی کلام میں قطعی نہیں ملتی۔ بلاغت کا مطلب یہ ہے کہ جس موقع پر کلام کیا جائے اس کے مناسب معانی کے بیان کے لیے بہترین الفاظ اس طرح منتخب کیے جائیں کہ مدعا کے بیان کرنے میں اور اس پر دلالت کرنے میں نہ کم ہوں اور نہ زیادہ ہوں، لہذا جس قدر الفاظ زیادہ شاندار اور شگفتہ معانی ہوں گے،اور کلام کی دلالت جس قدر حال کے مطابق ہو گی اتنا ہی وہ کلام زیادہ بلیغ ہو گا، پس قرآن کریم بلاغت کے اس معیار پر پورا اترتا ہے۔

قرآن کی بلاغت کے چند نمونے درج ذیل ہیں:

[1]۔ محمد شریف الجرجانی، کتاب التعریفات، ص ۲۵۳

الف) ترغیب کا مضمون: ترغیب کے سلسلہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ [1]

اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے اعمال کے صلے میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پردہ غیب میں موجود ہے۔

ب) ترہیب کا مضمون: جہنم کے عذاب سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ O مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ O يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ [2]

اور انبیاء نے فتح و نصرت مانگی تو ہر سرکش دشمن نامراد ہو کر رہ گیا۔ اس کے بعد جہنم ہے اور وہاں اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ جسے وہ گھونٹ گھونٹ پیے گا مگر وہ اسے نہایت ناگوار گزرے گا، اسے ہر طرف سے موت آئے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور اس کے پیچھے (مزید) سنگین عذاب ہوگا۔

ج) دھمکی اور ملامت: اللہ تعالیٰ دنیاوی عذاب کی دھمکی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنْبِهِ فَمِنْهُمْ مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنْ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ أَغْرَقْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ [3]

پس ان سب کو ان کے گناہ کی وجہ سے ہم نے گرفت میں لیا پھر ان میں سے کچھ پر تو ہم نے پتھر برسائے اور کچھ کو چنگھاڑ نے گرفت میں لیا اور کچھ کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کچھ کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہیں تھا مگر یہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے۔

---

[1]۔ السجدہ ۱۷

[2]۔ الابراہیم ۱۵۔۱۶

[3]۔ العنکبوت ۴۰

د)وعظ و نصیحت: وعظ و نصیحت کا مضمون ارشاد فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَرَأَيْتَ إِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ O ثُمَّ جَاءَهُمْ مَا كَانُوا يُوعَدُونَ O مَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يُمَتَّعُونَ[1]

مجھے بتلاؤ کہ اگر ہم انہیں برسوں سامان زندگی دیتے رہیں، پھر ان پر وہ عذاب آجائے جس کا ان کے ساتھ وعدہ ہوا تھا، تو وہ (سامان زندگی) ان کے کسی کام نہ آئے گا جو انہیں دیا گیا تھا۔

ذات وصفات کا بیان

قرآن میں اللہ تعالی کی ذات وصفات کے متعلق یوں بیان ملتا ہے۔

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ O عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ[2]

اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر مادہ (مونث) کیا اٹھائے ہوئے ہے اور ارحام کیا گھٹاتے اور کیا بڑھاتے ہیں اور اس کے ہاں ہر چیز کی ایک (معین) مقدار ہے۔ (وہ) پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا بزرگ برتر ہے۔

یہ بلاغت کے وہ چند نمونے تھے جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قرآن کریم بلاغت کے اس بلند مرتبہ پر پہنچا ہوا ہے کہ جو انسانی عادت سے خارج ہے اس بات کو فصحائے عرب اپنے سلیقہ سے سمجھتے ہیں، اور عجمی علماء علم بیان کی مہارت اور اسالیب کلام کے احاطہ سے، اور جو شخص لغتِ عرب سے جتنی زیادہ واقفیت رکھتا ہو گا وہ بہ نسبت دوسروں کے قرآنی اعجاز کو زیادہ سمجھے گا۔

دوسری خصوصیت:

دوسری چیز جو قرآن کے کلامِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس کی عجیب ترکیب، نادار اسلوب، آیتوں کے آغاز وانتہا کا انداز، ساتھ ہی اس کے علم بیان کے دقائق اور عرفانی حقائق پر مشتمل

[1]۔ الشعراء ۲۰۷،۲۰۶،۲۰۵

[2]۔ الرعد ۰۷

ہونا، نیز حسن عبارت اور پاکیزہ اشارے، سلیس ترکیبیں اور بہترین ترتیب،ان مجموعی خوبیوں کو دیکھ کر بڑے بڑے ادباء کی عقلیں حیران ہیں۔

قرآن کی فصاحت وبلاغت کو معجزانہ حد تک پہنچادینے میں ایک حکمت تو یہ تھی کہ کسی بڑے سے بڑے ہٹ دھرم کو بھی یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ معاذاللہ اس کلام میں سرقہ پایا جاتا ہے۔دوسرا اللہ کلام انسانوں کے کلام سے اس حد تک ممتاز ہو جائے کہ کسی بڑے سے بڑے ادیب وشاعر کا کلام اس کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے۔

تیسری خصوصیت:

قرآن کریم آنے والے واقعات کی پیشنگوئیوں پر مشتمل ہے جو بالآخر سو فیصد درست ثابت ہوئیں۔

مثال کے طور پر:

الف)مسجد الحرام میں داخل ہونے کی پیشینگوئی:

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ [1]

تم لوگ اپنے سر تراش کر اور بال کترواکر امن کے ساتھ بلاخوف مسجد الحرام میں ضرور داخل ہوگے۔

ب)خلافت کی پیشین گوئی:

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ [2]

تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں اس طرح جانشین ضرور بنائے گا جس طرح ان

[1] الفتح ۲۷

[2] النور ۵۵

سے پہلوں کو جانشین بنایا اور جس دین کو اللہ نے ان کے لیے پسندیدہ بنایا ہے اسے پائیدار ضرور بنائے گا اور انہیں خوف کے بعد امن ضرور فراہم کرے گا، وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اختیار کریں گے پس وہی فاسق ہیں۔

ج) دین کے غلبہ و ظہور کی پیشین گوئی:

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ[1]

اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ اسی نے بھیجا ہے تاکہ اسے ہر دین پر غالب کر دے اگرچہ مشرکین کو برا ہی لگے۔

د) فتح خیبر کی پیشینگوئی:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا[2]

بتحقیق اللہ ان مومنین سے راضی ہو گیا جو درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے، پس جو ان کے دلوں میں تھا وہ اللہ کو معلوم ہو گیا، لہٰذا اللہ نے ان پر سکون نازل کیا اور انہیں قریبی فتح عنایت فرمائی۔

ھ) فتح مکہ کے بارے قرآن مجید اسطرح پیشین گوئی فرماتا ہے:

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ O وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا O[3]

جب اللہ کی نصرت اور فتح آ جائے، اور آپ لوگوں کو فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہوتے دیکھ لیں۔

---

[1]۔ التوبہ ۳۳
[2]۔ الفتح ۱۸
[3]۔ (النصر ۱،۲)

اسی طرح کی بیسیوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے آنے والے واقعات کی خبریں قبل از وقت پہنچا دیں اور یہ قرآن کی ایک نمایاں خصوصیت ہے۔

چوتھی خصوصیات:

یہ امر قطعی ہے کہ آپ ﷺ امی تھے اور کسی دنیاوی معلم کے آگے آپ ﷺ نے زانوئے ادب تہہ نہیں فرمائے تھے مگر آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں گزشتہ امتوں اور قوموں کے ان حالات کا ذکر فرمایا جن میں سبق عبرت بھی ملتا ہے اور تاریخ پر بھی سیر حاصل معلومات میسر آجاتی ہیں۔

مثال کے طور پر بنی اسرائیل کا گائے کے ذبح کرنے کے واقعہ کو قرآن مجید اس طرح پیش کرتا ہے؛

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ[1]

اور (یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: خدا تمھیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، وہ بولے: کیا آپ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں؟ (موسیٰ نے) کہا: پناہ بخدا! میں (تمہارا مذاق اڑا کر) جاہلوں میں شامل ہو جاؤں؟

پانچویں خصوصیات:

قرآن مجید میں ان علوم کلیہ اور جزئیہ کو جمع کیا گیا ہے جو اہل عرب کے یہاں معروف و مروج نہ تھے، بالخصوص علومِ شرعیہ کے دلائلِ عقلیہ پر تنبیہ، سوانح اور مواعظ، احوالِ آخرت، اخلاقِ حسنہ، اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ علوم یا تو دینی ہوتے ہیں یا اس کے علاوہ دوسرے علوم، اور ظاہر ہے کہ مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے علوم دینی اعلیٰ اور ارفع ہیں، جن کا مصداق علوم عقائد ہیں، یا علوم اعمال۔ عقائد دین کا حاصل اللہ اور اس کے فرشتے اور کتب آسمانی اور رسولوں اور یوم آخرت کی پہچان اور شناخت ہے۔ جیسے ذات وصفاتِ خداوند کی معرفت۔ علم الاعمال کا مصداق ان تکالیف اور ذمہ داریوں کو جاننا ہے، جن کا تعلق ظاہری احکام سے ہے، یعنی علم الفقہ، اور ظاہر ہے ہر فقیہ نے اپنے مباحث قرآن ہی سے مستنبط کرنے ہوتے ہیں۔

---

[1]۔ البقراء ٦٧

وضو کے احکام کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ[1]

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولیا کرو نیز اپنے سروں کا اور ٹخنوں تک پاؤں کا مسح کرو۔

اس طرح کی اور بھی بہت سی ایسی خصوصیات ہیں جو قرآن کو دیگر کتب آسمانی سے ممتاز کرتی ہیں مگر ہم اختصار کے سبب اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

باب دوم: قرآن کا نظامِ زندگی:

قرآن مجید ایک آفاقی کتاب ہے جس میں وہ تمام کچھ موجود ہے کہ جس کی انسان کو کبھی بھی حاجت محسوس ہو سکی ہے، اصل میں یہ کتابِ قانون اور کتابِ معاشرت ہے جس پر عمل پیرا ہوا کر ہم احسن طور پر زندگی گزار سکتے ہیں اور برازِ آخرت بارگاہِ الٰہی میں سرخ رو ہو سکتے ہیں، ذیل میں ایک واقعہ کو درج کیا جاتا ہے جس میں رسولِ اکرم ﷺ نے ایک جستجو گر کو اسلام کے بنیادی اہداف و مقاصد بتائے ہیں اور انہی اہداف و مقاصد میں مکمل آدابِ معاشرت موجود ہیں۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ؛

"اوس و خزرج کے درمیان جن دنوں تباہ کن جنگ جاری تھی انھی دنوں میں خزرج قبیلے کا سردار اسعد بن زرارہ مکہ آیا تاکہ اہل مکہ سے کچھ امداد لے سکے تو اسے معلوم ہوا کہ مکہ میں رسول اکرم ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔ ناچاہتے ہوئے بھی وہ ان سے ملنے کے لیے ان کے پاس گیا؛ بعد از تحیہ و سلام اس نے رسول اکرم ﷺ سے دعوتِ اسلام کے اہداف و مقاصد دریافت کیے۔[2] تو جواب میں رسول اکرم ﷺ نے سورہ انعام کی آیات ۱۵۲، ۱۵۱ کی تلاوت فرمائی۔ یہ دونوں آیات زمانہ جاہلیت کے سارے ہی جذبات و عادات اور رسم و رواج کی وضاحت کرتے تھیں، اور اس میں اس (اسعد) کی قوم کے درد کا درمان چھپا تھا جو پچھلے ایک سو بیس (۱۲۰) سال سے برادر کشی میں مشغول تھی، چنانچہ اسعد کے دل پر انکا گہرا اثر ہوا وہ فوراً اسلام لے آیا، اور آنحضرت ﷺ سے

[1]۔ (المائدہ ۶

[2]۔ آیۃ اللہ جعفر سبحانی۔ تفسیر موضوعی ج ۱ ص ۳۴

درخواست کی کہ اپنے کسی پیرو کار کو مبلغ کے طور پر مدینہ بھیجیں، آنحضور ﷺ نے جناب مصعب بن عمیر کو اسلام کے پہلے مبلغ اور قاری قرآن کی حیثیت سے مدینہ روانہ کیا مدینہ میں ان خدائی آیات کا اتنا اثر ہوا کہ کچھ لوگ فوراً اسلام لے آئے اور اگلے سال حج کے موقع پر اپنے نمائندے مکہ بھیجے، یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے عقبہ کے مقام پر پیغمبر اکرم ﷺ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور یہ بیعت "بیعتِ عقبہ" کے نام سے تاریخ میں مشہور ہوئی۔[1]

حضور ﷺ نے سورہ انعام کی جن آیات کو موضوعِ سُخن بنایا تھا اس میں ایک مکمل نظام زندگی موجود ہے اس کو ہم اپنے اس مقالہ کا محور و مرکز بناتے ہیں

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۖ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ O وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ[2]

کہدیجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین پر احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

۱۵۲۔ اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو (یتیم کے لیے) بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے رشد کو پہنچ جائے اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ

[1]۔ علامہ مجلسی۔ بحار الانوار، ج ۱۹ ص ۸۔۱۱

[2]۔ الانعام ۱۵۱، ۱۵۲

ذمے داری نہیں ڈالتے اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ اگرچہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جائے اور اللہ سے کیا ہوا عہد پورا کرو، یہ وہ ہدایات ہیں جو اللہ نے تمہیں دی ہیں شاید تم یاد رکھو۔

آیت اللہ شیخ محمد حسین نجفی ظلہ العالی صاحب فرماتے ہیں کہ :ان آیات میں اللہ تعالی نے دس ایسے نکات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جو کسی بھی معاشرے کے لیے ایک مثالی نمونے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معاشرہ میں ایک بہترین عملی نمونے کے قیام کے لیے ان دس نکات کا مشعلِ راہ بنایا جا سکتا ہے وہ دس نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تعالی کا شریک نہ بنائیں۔

۲۔ والدین پر (انکی خدمت کر کے) احسان کریں۔

۳۔ اپنی اولاد کو بھوک اور افلاس کے ڈر سے قتل نہ کریں۔

۴۔ ناجائز اور خلافِ شرع جنسی کاموں سے پرہیز کریں۔

۵۔ جن انسانوں کا خون محترم ہے انہیں قتل نہ کریں۔

۶۔ یتیم کے مال کے قریب نہ جائیں، بجز اس طریقے کے جو نیک اور اچھا ہو۔

۷۔ ناپ تول میں انصاف اور عدالت برتیں۔

۸۔ اللہ تعالی ہر شخص پر اس کی استطاعت کے مطابق ذمہ داری ڈالتا ہے، (اس ذمہ داری کو ادا کریں)۔

۹۔ گفتگو میں انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیں، خواہ وہ اپنے ہی رشتہ داروں کے بارے کیوں نہ ہو۔

۱۰۔ جو عہد و پیمان خدا سے باندھا ہے اس پر قائم رہیں۔[1]

یہ دائمی منشور جو ان آیات میں آیا ہے ہر اس معاشرے کی اصلاح کی بنیاد ہے جو چاہتا ہے کہ وہ ترقی کرے اور ارتقاء کی منزلیں طے کرے۔ قرآن نے ان موضوعات کے بارے میں اور بھی جگہ خصوصاً سورہِ بنی اسرائیل میں گفتگو کی ہے۔ اسلامی دستور کی چند ایک اہم شقیں بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

[1]۔ آیۃ اللہ محمد حسین نجفی، فیضان الرحمٰن فی تفسیر القرآن ج ۳، ص ۲۴۵

وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [1]

اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے اسی پر چلو اور مختلف راستوں پر نہ چلو ورنہ یہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا کر پراگندہ کر دیں گے، اللہ نے تمہیں یہ ہدایات (اس لیے) دی ہیں تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لیے ایک ایسے معاشرے کی ضرورت ہوتی ہے، جس میں وہ تمام ضروری لوازمات موجود ہوں جو ایک مثالی معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ اور اسلام ہمیں ایسے معاشرے کو تشکیل دینے کی ہدایت کرتا ہے۔ اگر دیکھا جائے تو ایک کامیاب زندگی کے لیے چار پہلوؤں کا ہونا بہت ضروری ہے جو یہ ہیں۔

۱۔ مذہبی پہلو ۲۔ معاشرتی پہلو ۳۔ عدالتی پہلو

سورۂ انعام کی ان دو آیات میں طرزِ زندگی کے جو دس نکات آئے ہیں وہ بھی انہی چار پہلو کا احاطہ کیے ہوئے ہیں جن کی تفسیر انشاء اللہ آئندہ صفحات کی زینت بنے گی، انشاء اللہ۔

باب سوم: قرآنی نظامِ زندگی کا مذہبی پہلو:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا [2]

کہہ دیجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

ایک اسلامی معاشرے کے لیے سب سے ضروری امر یہ ہے کہ اس معاشرے میں زندگی گزارنے والا ہر شخص یکتا پرست ہو، یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان دس فرمانوں میں تحریم شرک سے ابتداء کی گئی ہے جو تمام محرمات الٰہی اور معاشرے کی تمام برائیوں کی جڑ ہے، اور نفی اختلاف پر خاتمہ کیا گیا ہے جو ایک طرح کا عملی شرک محسوب ہوتا ہے۔

[1]۔ الانعام ۱۵۳

[2]۔ انعام ۱۵۱

یہ امر ظاہر ہے کہ مسئلہ توحید تمام اصول وفروعِ اسلامی میں کافی اہمیت کا حامل ہے، کیونکہ توحید صرف ایک دینی اصل ہی نہیں بلکہ تمام تعلیمات اسلامی کی روحِ رواں ہے۔

"ہمارے عقائد کے مطابق اللہ تعالیٰ کو تمام جہات سے واحد ماننا ضروری ہے۔ پس جس طرح ذاتِ خدا میں توحید ضروری ہے اسی طرح سے اس کی صفات میں بھی توحید ضروری ہے۔ اس کی صفات عین ذات ہیں پس اس کا یہ مطلب ہوگا کہ علم و قدرت میں اس کا کوئی نظیر نہیں ہے اور خلق و رزق میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور تمام کمالات میں اس کا کوئی مد مقابل نہیں ہے"۔[1]

توحید کی شاخیں:

ہمارا عقیدہ ہے کہ توحید کی بہت سی شاخیں ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل چار سب سے زیادہ اہم ہیں:

الف) توحیدِ ذاتی:

یعنی یہ کہ خداوند متعال کی ذات پاک ہے اور وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک و نظیر نہیں ہے۔

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ O اللَّهُ الصَّمَدُ O لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ O وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ[2]

کہد یجئے: وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔ اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

امام راحل حضرت روح اللہ الخمینی رضوان اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ سورت شریفہ اللہ تعالیٰ کا نسب ہے[3]، جیسا کہ احادیث شریفہ میں ہے اور ان احدیث میں سے ایک حدیث کافی شریف میں ہے جس کی سند امام صادق علیہ السلام تک پہنچتی ہے۔ اس میں آپؑ فرماتے ہیں:"

---

[1]۔ علامہ مظفر رضؒ، عقائد امامیہ، ص ۳۴

[2] سورہ توحید ۴، ۳، ۲، ۱،

[3]۔ آیت اللہ امام خمینی، تفسیر و شواہد قرآنی: ا ج ۲، ص ۵۳۹

ان الیهود سالوا رسول اللہ ﷺ فقالوا : انسب لنا ربّک فلبث ثلاثاً
لا یُجیبهم، ثم نزلت: (قُلْ هُوَ اللّهُ أَحَدٌ)الیٰ اخرها

یہودیاں نے رسول اکرم ﷺ سے کہا کہ: اپنے پروردگار کا نسب بیان کریں، پس آنحضرت ﷺ نے تینوں تک انہیں کوئی جواب نہیں دیا، اس کے بعد سورہ (قُلْ هُوَ اللّهُ أَحَدٌ) آخر تک نازل ہوئی۔

امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ اس سورت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: جان لے کہ یہ سورت مبارکہ کمال اختصار کے باوجود صفات الٰہیہ اور تسبیح و تنزیہ کے تمام مراتب و مقامات پر مشتمل ہے، در حقیقت الفاظ کے قالب اور عبارات کی ترکیب میں ممکنہ حد تک حق تعالیٰ کا نسب اس سورہ میں مذکور ہے۔ چنانچہ (قُلْ هُوَ اللّهُ أَحَدٌ) میں صفات کمال کے تمام حقائق موجود ہیں۔ یہ تمام صفات ثبوت پر مشتمل ہے۔ "صمد" سے لے کر آخر سورۃ تک تنزیہی صفات کا ذکر ہے اور صلب نقائص کی طرف اشارہ ہے، علاوہ ازیں اس سورہ مبارکہ میں دو حدوں یعنی "حدِ تعطیل اور حدِ تشبیہ" سے خروج کا اثبات کیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں حدِ اعتدال اور حقیقتِ توحید سے خارج ہیں، پہلی آیتِ شریفہ تعطیل کی نفی کرتی ہے جبکہ سورت کا آخری حصہ "تشبیہ" کی نفی ہے۔ اس کے علاوہ یہ سورت ہر چیز سے قطع نظر صرف "ذات" اور مقامِ احدیت جو اسمائے ذاتیہ کی تجلی ہے اور مقامِ واحدیت جو اسمائے صفات کی تجلی ہے پر بھی مشتمل ہے۔[1]

ب) توحید صفاتی:

یعنی کہ یہ صفات علم و قدرت ازلی و ابدی سب اس کی ذات میں جمع ہیں، اور یہ صفات اس کی عین ذات ہیں۔ مخلوق کی طرح نہیں ہیں۔ کہ ان کی ساری صفات ایک دوسرے سے الگ اور اس کی ذات سے جدا ہیں۔ البتہ خداوند عالم کی ذات و صفات کا ایک ہونا ایک ایسی بحث ہے جس کے لیے ظرافت اور دقت لازمی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام فرماتے ہیں:

[1]۔ آیت اللہ امام خمینی، تفسیر و شواہد قرآنی: ج ۲، ص ۵۵۲

"اوّل الدين معرفته، وكمال معرفته تصديق به، وكمال تصديق به توحيده، وكمال توحيد ه الاخلاص له، وكمال الاخلاص له نفی الصفات عنه،لشهادة كُلِ صفة انها غير الموصوف وشهادة كلّ موصوف انه غير الصفه"

دین کی ابتداء اس کی معرفت ہے، کمالِ معرفت اس کی تصدیق ہے اور کمالِ تصدیق توحید ہے۔ کمالِ توحید تنزیہ واخلاص ہے، اور کمالِ تنزیہ واخلاص یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے، کیونکہ ہر صفت شاہد ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف شاہد ہے کہ وہ صفتوں کے علاوہ کوئی چیز ہے۔[1]

علامہ الشیخ محمد رضا مظفرؒ کہتے ہیں: یہ صفات معانی و مفاہیم کے لحاظ سے مختلف ہیں نہ کہ حقائق و وجودات کے لحاظ سے کیونکہ اگر یہ میں وجودات میں مختلف ہوں جب کہ یہ ذات کی طرح قدیم اور واجب ہیں تو ذاتِ واجب الوجود کا تعدد و کثرت لازم آئے گی، اور وحدت حقیقی ٹوٹ جائے گی حالانکہ یہ بات عقیدہ توحید کے منافی ہے۔[2]

ج) توحید افعالی:

یعنی یہ کہ ہر فعل و حرکت جو اس دنیا میں انجام پاتی ہے وہ سب پروردگار عالم کی مشیت و ارادہ سے وجود میں آتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۝ لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ[3]

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کی ملکیت ہیں اور جنہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

[1]۔ علامہ رضی الشریفؒ، نہج البلاغہ: ۔ مترجم علامہ مفتی جعفر صاحب اعلی اللہ مقامہ، ص ۵۱

[2]۔ آیۃ اللہ الشیخ محمد رضا مظفر، مترجم علامہ سید صفدر حسین نجفی، عقائدِ امامیہ: ص ۳۵

[3]۔ سورہ زمر آیت ۶۳، ۶۲

ہر شئ کے وجود کے لیے اللہ کا ادارہ ہی کافی ہے جیسے انسان کے لیے کسی شئ کے ذہنی وجود کے لیے فقط ادارہ کافی ہے، اسی طرح اللہ جب کسی شئ کا خارجی وجود عطا فرماتا ہے تو فقط ادارہ کرتا ہے، اور وہ خارجی وجود متحقق پذیر ہو جاتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ[1]

اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس سے کہتا ہے: ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔

پس خدا جب بھی کسی شئ کی تخلیق کا ارادہ کرتا ہے تو فقط "کن" کہتا ہے، "فیکون" جملہ تامہ ہے، جس کا مطلب ہے "فیوجد" ایک جگہ "قضیٰ" کی جگہ "ارادہ" بھی آیا ہے:

اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ[2]

اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔

خدا کے کسی شئ کو خلق کرنے سے پہلے "کن" کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی شئ موجود ہوتی ہے تو خدا اس کی رونمائی کے لیے "کن" کہتا ہے، بلکہ خدا کسی بھی چیز کے ابتدائی وجود کے لیے لفظِ "کن" کو استعمال کرتا ہے۔[3]

د) توحید عبادی:

عبادت، خداوند عالم سے مخصوص ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ یہ شاخ، توحید کی سب سے اہم شاخ میں شمار ہوتی ہے، اور انبیاء الٰہی سب سے زیادہ اس پر تاکید کرتے ہیں:

وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ[4]

حالانکہ انہیں تو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ یکسو ہو کر دین کو اس کے لیے خالص رکھتے ہوئے صرف اللہ کی عبادت کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور یہی مستحکم (تحریروں کا) دین ہے۔

---

[1] ۔ سورہ بقرہ ۱۱۷

[2] ۔ زمر: ۶۲

[3] ۔ آیۃ اللہ جوادی آملی، تفسیر موضوعی قرآن کریم (توحید در قرآن) ج ۲، ص ۳۸۰

[4] ۔ سورہ بینہ ۵

اخلاق و عرفان کے کمال کی منزلیں طے کرنے کے لیے اس سے بھی عمیق توحید کی ضرورت ہوتی ہے، اس راہ میں توحید اس منزل تک پہنچ جاتی ہے، جہاں انسان صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگاتا ہے اور ہر مرحلہ پر صرف اسی کو طلب کرتا ہے، اور اس کے سوا کسی کی فکر اسے مشغول نہیں کرتی اور اللہ کوئی بھی شیء اسے خدا سے دور کر کے خود میں مشغول نہیں کرتی:

کلما شغلک عن الله فھو ضمک

ہر چیز جو تجھے خود سے مشغول کر دے اور خداوند سے دور کرے، وہ تیرا "بُت" ہے۔[1]

اصل میں تشریح طلب آیت:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ۖ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ۲

کہد یجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتا دوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ۔

اس آیت میں لفظِ شرک آیا ہے، شرک ہی وہ گناہ ہے جو گناہانِ کبیرہ میں سے ہے۔ یہ بد ترین گناہوں میں سے ایک ہے، علامہ حلی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

الخامسۃ، فی نفی الشرک عنه للسمع وللمتانع، فیفسدنظام اکوجود ولاستلزامه الترکیب للشتراک الواجبین فی کونھما واجبی الوجودِ، فلابُد من مائزِ

علامہ فرماتے ہیں (پانچویں صفت سلبیہ یہ ہے کہ) اس کا کوئی شریک نہیں ہے جس پر دلیل سمعی و دلیل تمانع قائم ہے، کیونکہ شرک موجود ہونے کی صورت میں نظام عالم درھم برھم ہو جاتا ہے، نیز شریک موجود ہونے می صورت میں ترکیب لازم آئے گی، کیومکہ دونوں واجب الوجود ہونے میں مشترک ہوں گے، پس ان میں سے ہر ایک کے لیے فصل ممیز کا ہونا ضروری ہوگا۔[3]

---

[1] ۔ ہمارے عقائد: آیت اللہ مکارم شیرازی ص ۲۴

[2] ۔انعام ۱۵۱

[3] ۔ باب حادی عشر: علامہ حلی رحمۃ اللہ علیہ، ص ۹۴

علامہ کے اس بیان کی شرح کرتے ہوئے علامہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "باری تعالیٰ سے نفی شریک پر تمام حکماء و متکلمین کا اتفاق ہے۔ دلائل سمعیہ توحید باری تعالیٰ پر دلالت کرتے ہیں، اور انبیاء علیہ السلام کا توحید باری تعالیٰ پر اجماع ہے، انبیاء علیہم السلام کا صدق توحید پر موقوف نہیں (اس لیے انبیاء علیہم السلام کے اجماع میں دور لازم نہیں آئے گا۔)"[1]

انواعِ شرک:

توحید نور ہے اور شرک ظلمت ہے جس جگہ نور نہ ہو ظلمت ہوتی ہے، نور کے مقابل ظلمتیں متعدد ہیں اسی لیے قرآن میں نور کے مقابل لفظ ظلمات استعمال ہوا ہے، اسی طرح ایک توحید کے مقابل میں متعدد شرک وجود رکھتے ہیں جن کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔ شرک در ذات:

توحید ذاتی کے مقابلے میں شرکِ ذاتی ہوتا ہے اس کا معانی یہ ہے کہ کسی عالم میں ایک سے زیادہ واجب الوجود کو ماننا قرآن مجید شرک فی ذات کی اسطرح مخالفت کرتا ہے:

لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا[2]

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا معبود ہوتے تو دونوں (کے نظام) درہم برہم ہو جاتے۔

۲۔ شرک در صفات (ذاتی و فعلی):

توحید صفاتی کے مقابل میں شرک در صفات آتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات (ذاتی و فعلی) میں کسی کو شریک کرنا، فعلی شرک میں اور بھی کئی شرک آجاتے ہیں جیسے:

- **شرک در رزاقیت:** اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو رازق ماننا
- **شرک در خالقیت:** اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو خالق ماننا
- **شرک در ربوبیت:** اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو رب تصور کرنا

قرآن میں اس سورہ رعد میں شرک در صفات وافعال کی نفی یوں کی گئی ہے:

[1]۔ احسن العقائد: علامہ فاضل مقداد علیہ الرحمہ، ص ۱۰۱

[2]۔ سورہ انبیاء ۲۲

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ[1]

ان سے پوچھیے: آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہدیجئے: اللہ ہے، کہدیں: تو پھر کیا تم نے اللہ کے سوا ایسوں کو اپنا اولیاء بنایا ہے جو اپنے نفع و نقصان کے بھی مالک نہیں ہیں؟ کہدیجئے: کیا بینا اور نابینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریکی اور روشنی برابر ہو سکتی ہیں؟ جنہیں ان لوگوں نے اللہ کا شریک بنایا ہے کیا انہوں نے اللہ کی خلقت کی طرح کچھ خلق کیا ہے جس کی وجہ سے پیدائش کا مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا ہو؟ کہدیجئے: ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا، بڑا غالب آنے والا ہے۔

۳۔ شرک در عبادت:

انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی ذمہ داری اور تمام کتب ھائے سماوی کا پیغام فقط اور فقط عبادتِ خدا کی طرف خلقِ خدا کو ترغیب دلانا تھا۔ توحیدِ عبادی سے مراد غیر از خدا کی پرستش سے انسان کو نکال کر فقط ایک خدا کی عبادت کی طرف دعوت دینا ہے اور شرکِ عبادی کا مطلب اللہ تعالیٰ کے علاوہ عبادت کے لائق غیر از خدا کو بھی تصور کرنا ہے، انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہ بیان کی کیا ہے کہ ایک ایسا معاشرہ تشکیل دیا جائے، جس میں فقط خداوند متعال کی عبادت و پرستش ہو، ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ[2]

اور بتحقیق ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت کی بندگی سے اجتناب کرو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

[1] ۔ سورہ رعد آیت ۱۶

[2] ۔ النحل ۳۶

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ [1]

اور ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول بھیجا ہے اس کی طرف یہی وحی کی ہے، بتحقیق میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم صرف میری عبادت کرو۔

یہ ایک یقینی بات ہے کہ ہمارا خالق، مالک، رازق ایک ہی ہے اور ہمیں صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیے، اور اسی کی حاکمیت کے زیر سایہ زندگی گزارنی چاہیے، کیونکہ حاکمیتِ واحدہ کا عقیدہ قائم کرنے سے بہت سے دوسرے حاکموں سے انسان کو خلاصی حاصل ہو جاتی ہے، بقول شاعر:

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات [2]

باب چہارم: قرآنی نظامِ زندگی کا معاشرتی پہلو:

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [3]

کہدیجئے: آؤ میں تمہیں وہ چیزیں بتادوں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں، (وہ یہ کہ) تم لوگ کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ اور والدین پر احسان کرو اور مفلسی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

---

[1] الانبیاء ۲۵
[2] ضرب کلیم
[3] الانعام ۱۵۱

قرآن میں جس طرزِ زندگی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس میں ایک معاشرے کی تشکیل کا حکم دیتا ہے ایک ایسا معاشرہ جس میں ان تمام افراد کا خیال رکھا جائے، جو کسی نہ کسی طرح سے اسلامی معاشرہ تشکیل دینے میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں، ان میں سب سے پہلے والدین آتے ہیں۔ اس باب میں معاشرتی پہلو بیان کرتے ہوئے سورہ انعام کی آیات کی روشنی میں درج ذیل امور کو زیرِ بحث لایا جائے گا:

۱۔ والدین

۲۔ اولاد

۳۔ جنسی بے راہ روی

۴۔ نفس محترم کا قتل

۵۔ مال یتیم کی رعایت

۱۔ والدین: (و بالوالدین احساناً)

انسان اپنی زندگی گزارنے کے لیے مختلف افراد کا محتاج ہوتا ہے جو اس کی مختلف حالات میں مختلف ضروریات کو پورا کرتے ہیں۔ ان افراد میں سے والدین کو اولیت حاصل ہے کیونکہ اس دنیا میں انسان قدم رکھنے سے بھی پہلے جس افراد کا محتاج ہے وہ والدین ہیں۔ پس اگر انسان پوری زندگی انکا شکر ادا کرتا رہے تو یہ کم ہے۔ والدین کی خدمت اور ان کے لیے جانثاری سے بڑھ کر دنیا میں کوئی دوسری خدمت نہیں کسی دوسرے کے لیے کوئی انسان اس سے بڑھ کر خدمت انجام نہیں دے سکتا زندگی کے ابتدائی مراحل میں انسان کی ہستی اور اس کا وجود ان دو سرپرستوں کی جانفشانیوں کی مرہونِ منت ہوتی ہے چنانچہ ضمیر کا تقاضہ یہ ہے کہ ان سے مہر محبت سے پیش آیا جائے، ساری زندگی ان کے احترام کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے، والدین کے ساتھ کس طرح نیکی کی جائے اس کے بارے ارشاد ہوتا ہے:

إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا [1]

اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے پاس ہوں اور بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا بلکہ ان سے عزت و تکریم کے ساتھ بات کرنا۔

[1] ۔ الاسراء ۲۳

اگر شریعتِ اسلام کا حکم نہ بھی ہوتا کہ ان کے ساتھ خوش رفتاری سے پیش آیا جائے تب بھی حق شناسی اور شکر گزاری کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے پیہم احسانات کے بدلے میں ان کے حقوق کا اعتراف کیا جائے اور ان کا احترام ملحوظِ خاطر رکھا جائے چہ جائیکہ شریعت نے بھی ان کے ساتھ نیکی کتنے کا حکم دیا ہے ارشاد ہوتا ہے:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا [1]

اور مہر و محبت کے ساتھ ان کے آگے انکساری کا پہلو جھکائے رکھو اور دعا کرو: میرے رب! ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پالا تھا۔

روایت میں ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ: سيد الابرار يوم القيامة رجل برَّ ولديه بعد موتهما

قیامت کے دن نیک افراد میں وہ شخص زیادہ خوش ہوگا جو اپنے والدین کے ساتھ مرنے کے بعد بھی نیکی کرتا ہے۔ [2]

فوت ہو جانے کے بعد نیکی کرنے سے مراد ان کی نمازیں پڑھنا اور ان کے لیے قرآن خوانی کرنا۔

والدین سے نیکی کے آثار:

ا۔ رضایتِ الٰہی کا حصول:

روى انّ اول ماكتبه الله فى اللوح المحفوظ انّى لااله الاّ انامن رضى عنه والداه فانا عنه راضٍ

خداوند عالم نے لوحِ محفوظ پر سب سے پہلے جو چیز لکھی ہے وہ یہ ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے، اور جس کے والدین اُس سے راضی ہوں میں بھی اس سے راضی ہوں۔ [3]

---

[1]۔ الاسراء ۲۴

[2]۔ مفاتیح الحیاۃ: ایت اللہ جوادی آملی

[3]۔ مفاتیح الحیات: آیت اللہ جوادی آملی

۲۔آسمانی نزولِ رحمت:

قال رسول اللہ ﷺ :یُفتّح ابواب السماءِ بالرحمۃ فی ارنعِ مواضعَ عند نزول المطرِ وعند نظر الوالد فی وجه الوالدین، وعند فتح باب الکعبۃ وعند النکاحِ

آسمانی رحمت کے دروازے چار وقت میں کھلتے ہیں: بارش برسنے کے دوران، جب بچہ والدین کے چہرے کی طرف نظر کرتا ہے، جب کعبہ کا دروازہ کھلتا ہے، اور جب نکاح ہوتا ہے۔[1]

۳۔شیعت کی علامت:

قال امام صادق علیه السلام: فواللہ ما شیعتنا الّا من اتقی اللہ----- والبر بالوالدین

قسم بخدا وہ ہمارا شیعہ نہیں ہے مگر وہ جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے۔۔اور ولادین کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آئے۔[2]

والدین سے قطع رحمی کی ممانعت:

والدین سے قطع رحمی کی مذمت ہوئی ہے جو اپنے والدین کی اہانت کرتے ہیں، وہ مشکلات میں مبتلاء ہو جاتے ہیں۔رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

ایاکم عقوق الوالدین فانّ ریح الجنة توجد من مسیرة الفِ عامٍ ولایجدها عاقُ ولا قاطع رحمٍ

والدین پر ستم کرنے سے پرہیز کرو، کیونکہ (ولدین پر ستم کرنے والے)ہزار سال کی مسافت سے جنت کی خوشبو کو نہیں سونگھ سکتے اور والدین کی عاق شدہ اولاد بھی وہ خوشبو نہیں سونگھ سکتی۔[3]

---

[1]۔ مفاتیح الحیات: آیت اللہ جوادی آملی

[2]۔ مفاتیح الحیاۃ: آیت اللہ جوادی آملی

[3]۔ مفاتیح الحیات: آیت اللہ جوادی آملی

ماں باپ سے بداخلاقی کرنے سے نہ صرف دنیامیں عذاب ہوتاہے بلکہ آخرت میں بھی عذاب ملتاہے، حدیثِ قدسی میں ہے کہ خدافرماتاہے:

بعزّتی و جلالی وارتفاعِ مکانی، لو انّ العاق لوالدیه یعمل باعمال الانبیاءِ جمیعا لم اقبلها منه

میری عزت و جلالت کی قسم اگر والدین کا عاق شخص تمام انبیاء کے برابر بھی عبادت کرے، میں اس کی وہ عبادت قبول نہیں کروں گا۔[1]

آخر میں امام زین العابدین علیہ السلام کی کتاب "صحیفہ کاملہ" سے امام کی اس دعامیں سے چند کلمات کو ضبطِ تحریر لاتے ہیں جس میں امام نے والدین کے حقوق ادا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے قوت کو طلب کیا، امامؑ فرماتے ہیں:

اللهم اجعلنی اهابُهما هیبة السلطان العسوف وابرهما بر الام الرءُوف

اے اللہ مجھے ایسا بنادے کہ میں ان دونوں سے اس طرح ڈروں جس طرح کسی جابر بادشاہ سے ڈرا جاتاہے، اور اس طرح ان کے حال پر شفیق و مہربان رہوں، جس طرح شفیق ماں (اپنی اولاد پر) شفقت کرتی ہے۔

واجعل طاعتی لوالدی لوالدی، وبری بهما اقر لعینی من رقدة الوسنان، و اثلج لصدری من شربة الظمان

اور ان کی فرمانبرداری اور ان سے حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آنے کو میری آنکھوں کے لیے اس سے زیادہ کیف افزاء قرار دے، جتنا چشمِ خواب آلود میں نیند کا خمار، اور میرے قلب و روح کے لیے اس سے بڑھ کر مسرت انگیز قرار دے، جتنا پیاسے کے لیے جرعہ آب۔

حتیٰ اوثر علیٰ هوای هواهما و اُقدم علیٰ رضای رضا هما، واستکثر بر هما بی، وان قل واستقل بری بهما، وان اکثر---

[1] ۔ جامع السعادات ج ۲: حضرت احمد نراقی رحمۃ اللہ علیہ

تاکہ میں اپنی خواہش پر ان کی خواہش کو ترجیح دوں، اور اپنی خوشی پر ان کی خوشی کو مقدم کروں، اور ان کے تھوڑے احسان کو بھی جو مجھ پر ہیں زیادہ سمجھوں، اور میں جو نیکی بھی ان کے ساتھ کروں اگر وہ زیادہ بھی ہو تو اس کو کم سمجھوں۔[1]

۲۔اولاد:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا [2]

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو، ہم انہیں رزق دیں گے اور تمہیں بھی، ان کا قتل یقینا بہت بڑا گناہ ہے۔

انسان کے اندر جو نہایت گہرے جذبات اور مہر و محبت کے احساسات پائے جاتے ہیں ان میں سب سے بڑھ کر اولاد کے لیے ماں باپ کے جذبات ہیں۔ مگر کبھی انسان کی شقی القلب اور سنگدلی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ ایس نازک اور حقیقی محبت کا جذبہ بھی اس کے اندر دم توڑ دیتا ہے نتیجہ یہ کہ معصوم اور بے گناہ بچوں پر بھی وہ رحم نہیں کرتا جو بے چارے اپنا دفاع بھی نہیں کر سکتے، وہی فرد جس سے رحم دلی اور محبت کی توقع کی جاتی ہے وہ بجائے بچے کی تربیت، پرورش اور ہر قسم کی آفتوں سے بچاؤ کے اپنی انگلیاں اسی معصوم کے نازک گلے میں پیوست کر کے اس کی زندگی ختم کر دیتا ہے۔اور مقتول جو ابھی بولنا بھی نہیں جانتا زبان حسرت سے کہتا ہے:

بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ [3]

کہ وہ کس گناہ میں ماری گئی؟

پس قرآن ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینے کا خواہاں ہے کہ جس میں اولاد کے حقوق کا خیال رکھا جائے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ [4]

---

[1]۔ مفتی جعفر (مترجم)۔ صحیفہ کاملہ سجادیہ، دعا نمبر ۲۴، ص ۱۹۳

[2]۔الاسراء ۳۱

[3]۔التکویر ۰۹

[4]۔الاسراء ۳۱

اور تم اپنی اولاد کو تنگ دستی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو۔

اس آیت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ عرب زمانہ جاہلیت میں بے جا تعصب اور غیرت کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیا کرتے تھے، بلکہ لڑکوں کو (جو اس وقت بزرگی اور شرف کا سرمایہ سمجھے جاتے تھے) بھی فقر و تنگدستی کے خوف سے قتل کر دیتے تھے،اس آیت میں اللہ تعالی نے اپنے وسیع خوانِ نعمت، کہ جس سے ضعیف ترین موجودات بھی بہرہ ور ہوتے ہیں، کی طرف توجہ دلا کر اس بُرے کام سے روکا ہے۔[1]

اگرچہ یہ قبیح عمل آج بھی اس ترقی یافتہ دور میں پایا جاتا ہے، مگر اس میں قتل اولاد کی نوعیت بدل گئی ہے، پہلے اولاد کو پیدا ہونے کے بعد قتل کیا جاتا تھا، مگر آج کے اس ترقی یافتہ دور میں اولاد کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اُتار دیا جاتا ہے، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ نام نہاد جدید دنیا میں جنسِ مخالف اپنے نمائشی جسم کی خوبصورتی کو برقرار رکھنے کے واسطے اولاد کو جنم دینا عیب سمجھتی ہے اور دوسری طرف گھر میں چولہے کے ساتھ ساتھ پیٹ کی آگ اجازت نہیں دیتی کہ کسی بچے کو اس دنیا میں اپنے محدود رزق میں شامل کیا جائے۔

بلکہ جب پیغمبر اسلام ﷺ نے قریش کی عورتوں سے جو بیعت اور عہد و پیمان لیا اس سے پتا چلتا ہے کہ بعض عورتیں بھی اس قسم کے گناہ میں اپنا ہاتھ آلودہ کر لیتی تھیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

> يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ[2]
>
> اے نبی! جب مومنہ عورتیں اس بات پر آپ سے بیعت کرنے آپ کے پاس آئیں کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ زنا کا ارتکاب کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی۔

[1] ۔آیت اللہ مکارم شیرازی، تفسیر نمونہ، ج ۳ ص ۵۳۴

[2] ۔الممتحنہ ۱۲

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاد کا قتل زندہ درگور کرنے کی شکل میں جسکو عربی زبان میں "وأد" کہتے ہیں مردوں کے ساتھ مخصوص تھا مگر یہ فعل اسقاطِ حمل کی صورت میں عورتوں کے ہاتھوں بھی ہوتا تھا، ممکن ہے شاذ و نادر سہی مگر پہلی شکل میں بھی یہ کام عورتوں میں رائج ہو اس لیے عورتوں سے اس قسم کی بیعت لی گئی۔[1]

اللہ نے قرآن میں واضح طور پر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے اور آنے والے بچے کے رزق کی ذمہ داری خود اٹھائی ہے۔

نحن نرزقکم و ایاھم

اولاد کے حقوق میں اسے ایک حق اس کی خوراک کی ذمہ داری بھی ہے۔

قرآن میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ[2]

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) ان لوگوں کے لیے ہے جو پوری مدت دودھ پلوانا چاہتے ہیں اور بچے والے کے ذمے دودھ پلانے والی ماؤں کا روٹی کپڑا معمول کے مطابق ہو گا۔

اہلبیت علیہم السلام کی روایات میں اولاد کے جو حقوق ذکر کیے گئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں اور متعدد کتب اس عنوان سے لکھی جا چکی ہیں یہ بات مسلم کے کہ والدین، بچوں کے حقوق کے عہدیدار ہیں اور ان کے حقوق جو روایات و احادیث میں ذکر ہوئے ہیں انکا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:

۱۔ اولاد کا اچھا نام انتخاب کرنا۔

۲۔ اس کی ماں کا احترام کرنا۔

۳۔ والدین سے منسوب کرنا۔

۴۔ اس کی نظافت کا خیال رکھنا۔

[1] ۔ الشیخ ابی الفضل بن حسن الطبرسی، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج ۱۰، ص ۴۱۴

[2] ۔ البقراء ۲۳۳

۵۔اس کی مناسب غذا کی فراہمی کو یقینی بنانا۔

۶۔اس کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھنا۔

۷۔اس سے محبت کرنا۔

۸۔اس کا اکرام کرنا۔

۹۔نیک کاموں میں اس کی مدد کرنا۔

قرآن و روایات میں متعدد دعائیں ایسی ہیں جو اولاد کے حقوق کو آشکار کرتی ہیں۔امام زین العابدین علیہ السلام نے صحیفہ میں بھی ایک دعا کو ذکر کیا ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اولاد کی تربیت اور اس کی غذا کی فراہمی کتنی ضروری ہے۔

۳۔ جنسی بے راہ روی

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ[1]

اور علانیہ اور پوشیدہ (کسی طور پر بھی) بے حیائی کے قریب نہ جاؤ

معاشرہ ایک جسم کی مانند ہوتا ہے کہ جس میں ہر عضو دوسرے عضو کے ساتھ مل کر رہتا ہے اور ایک عضو بیمار ہو جائے تو اس کا اثر دوسرے عضو کو بھی پہنچے گا،اس کے ساتھ ساتھ اگر خدانخواستہ وہ جسم کا حصہ گلنے سڑنے پر آجائے تو اپنے ارد گرد کے اعضاء کو بھی زیرِ عتاب لائے گا،یہی حال اس معاشرے کا ہے جہاں ہر شخص کسی نہ کسی صورت میں دوسرے لوگوں کا محتاج ہوتا ہے،اور اگر خدانخواستہ اس شخص کو کوئی ایسی روحانی وجسمانی بیماری لگ جائے جو چھوت کے مشابہ ہو تو وہ شخص پورے معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔ان روحانی بیماریوں میں سے ایک جنسی بے راہ روی ہے۔یہ وہ بیماری ہے جو اندر ہی اندر سے معاشرے کو کھوکھلا کر دیتی ہے۔اور معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے تنزلی کی راہ پر چل نکلتا ہے، جنسی بے راہ روی کے بے قابو ہونے کے بارے استاد شہید مطہری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

> ”انسان فطری حاجتوں کے اعتبار سے تیل کے کنویں کی مانند ہے جس میں اندرونی گیسوں کا اکٹھ اس کے پھٹ پڑنے کا خطرہ پیدا کرتا ہے،ایسی صورت میں اس کی گیس کو خارج کرکے اسے جلا دینا چاہیے لیکن اس عمل کو اعتدال کے ساتھ انجام دینے کی

[1] ۔انعام: ۱۵۱

ضرورت ہے۔جب معاشرہ کان،آنکھ،اور ہاتھ کی آزادی سے خواہشات میں طوفان کے اسباب فراہم کرے اور پھر تسکین دینے والے عم کے ذریعے اس بے قید جزبہ کو سکون بخشنا چاہے تو یہ بات ناقابل اثر ہوگی،ہرگز اس طریقے سے سکون و تسکین میسر نہیں آسکتی بلکہ حالات اس کے برعکس ہوں گے اور تلاطم واضطراب میں اضافہ ہوگا اور حواہش کی نارسائی نفسانی عوارض کو جنم دے گی جس کے نتیجے میں جرائم فروغ پائیں گے۔''[1]

پس اس امر کی ضرورت ہے کہ ان بے قابو خواہشات کو قابو میں لایا جائے اور خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی راہِ حل کا انتخاب کیا جائے

جنسی میلانات کے بے قابو سمندر کو روکنے کے لیے قرآن نے متعدد طریقے وضع فرمائے ہیں،روایات واحادیث میں آیا ہے کہ ''تمام برائیوں کا مبدا وماخذ شراب ہے'' ارشاد ہوتا ہے:

الخمر جماع الثم و ام الخبائث و مفتاح الشرِ[2]

پس شراب وہ خبیثہ چیز ہے کہ جس میں اتنا مفسدہ پایا جاتا ہے کہ یہ دیگر کئی خباثتوں کو جنم دے دیتی ہے۔اس جگہ پر ہم شب سے پہلے شراب کی روک تھام کے متعلق قرآن کا حکم واضح کریں گے۔ارشاد ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ - إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ[3]

اے ایمان والو! شراب اور جوا اور مقدس تھان اور پانسے سب ناپاک شیطانی عمل ہیں پس اس سے پرہیز کرو تاکہ تم نجات حاصل کر سکو۔ شیطان تو بس یہ چاہتا ہے کہ

[1] استاد شہید مطہری، عورت پردے کی آغوش میں۔ص ۱۰۴
[2] ۔علامہ رضی، نہج البلاغہ حکمت نامہ ج ۲
[3] ۔المائدہ ۹۱،۹۰

شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمہیں یاد خدا اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آجاؤ گے؟

اس کی تفسیر کرتے ہوئے صاحب "فیضان الرحمٰن" نے لکھا ہے کہ: شرب ایک ایسی لعنت ہے کہ جس سے شرابی کی اپنی زندگی بھی متاثر ہوتی ہے اور اس کی آنے والی نسل بھی۔ اس سے اخلاق و اطوار برباد ہوتے ہیں اور معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور اس کا براہِ راست اثرِ بد انسان کی سب سے زیادہ قیمتی چیز یعنی عقل پر ہوتا ہے۔ اور جوا اور شطرنج بھی سماجی و معاشرتی برائیوں میں شراب سے کم نہیں ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ[1]

لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہدیجئے: ان دونوں کے اندر عظیم گناہ ہے۔

نگاہِ سو بھی وہ ابتدائی گناہوں میں سے ہے کہ جو دیگر بڑے بڑے گناہوں کا موجب بنتی ہے، امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

النظرة سهم من سهام ابليس مسموم و كم من نظرة اوثت حسرة طويلة-

نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر آلودہ تیر ہے اور اکثر ایک ہی نگاہ طویل حسرت کا باعث ہوتی ہے۔[2]

آنکھ وہ واحد عضو ہے جس سے بہت سی نیکیاں اور برائیاں سرزد ہوتی ہیں امام سجاد علیہ السلام نے اپنی کتاب رسالۃ الحقوق میں آنکھ کے حق کے متعلق فرمایا ہے کہ:

واما حق البصر فغضه عما لا يحل لک و ترک ابتذالهِ الا لموضع عبرة تستقبل بها بصراً او تستفيد بها علماً،فان لابصر باب الاعتبار-

[1] آیۃ اللہ محمد حسین نجفی، فیضان الرحمان فی تفسیر القرآن ج ۳، ص ۳۳

[2] علامہ سید علی نقی نقوی، حجاب ص ۲۴

آنکھ کا حق اسے ان چیزوں سے بچانا ہے جو تیرے لیے حلال نہ ہوں نیز اسے ان جگہوں سے دور رکھنا ہے جہاں عبرت کا سامان نہ ہو، ایسی عبرت جو تیری آنکھ کھول دے یا تجھے کسی علم سے آشنا کرے، کیونکہ آنکھ حصول عبرت کا دروازہ ہے۔[1]

قرآن مجید میں مقام تہمت سے بچنے کے لیے آنکھ پر قابو رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ. وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا[2]

آپ مومن مردوں سے کہدیجئے: وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کو بچا کر رکھیں، یہ ان کے لیے پاکیزگی کا باعث ہے، اللہ کو ان کے اعمال کا یقیناً خوب علم ہے۔ اور مومنہ عورتوں سے بھی کہدیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو بچائے رکھیں اور اپنی زیبائش (کی جگہوں) کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اس میں سے خود ظاہر ہو۔

''غض'' بروزن ''خر'' سے مشتق ہے جس کے معانی کم کرنا اور گھٹانا کے ہیں، اور بہت سی جگہوں ہر آواز دھیمی کرنے اور نگاہ جھکانے کے معانی میں استعمال ہوا ہے، اسی بنا پر آیت کہتی ہے کہ اپنی نگاہ کو جھکاو، نظر کو نیچا رکھو یہ ایک لطیف مفہوم ہے کہ نامحرم عورتوں کے روبرو ہونا پڑے تو اپنی نگاہ کو جھکا لو کیونکہ اگر آنکھیں بند کریں گے تو راستہ کو نہیں دیکھ سکیں گے لیکن اگر اس کے بدن و صورت پر نگاہ پڑے تو تم اپنی نگاہ کو جھکالو، اور جس چیز کو دیکھنے سے منع کیا ہے اس سے نظر ہٹالو۔[3]

کسی معاشرے کی ترقی وارتقاء کا انحصار اس میں بسنے والے انسانوں میں ہوتا ہے اور اگر اس میں بسنے والے انسان ہی استحصال کا شکار ہوں تو وہ معاشرہ بھلا کیسے ترقی کر سکتا ہے، اسی طرح اگر وہ لوگ غلامی کی زندگی بسر کرتے ہوں یا اپنا حق لینے سے گھبراتے ہوں تو بھلا وہ معاشرہ کیسے ترقی کر سکتا ہے، پس اس بگاڑ کی درستگی کے لیے ضروری ہے کہ اس معاشرے میں احساس جرات پیدا کیا جائے، جب

[1] ۔علامہ قدرت اللہ مشائیخی رسالۃ الحقوق۔ ایضا ص ۹۸

[2] ۔النور ۳۱،۳۰

[3] ۔آئینۂ حقوق، ایضا، ص ۹۹

اس معاشرے میں احساسِ جرات پروان چڑھے گا تب ہی تو وہ معاشرہ ترقی کرے گا اور معاشرے میں رہنے والے استحصال کا شکار ہونے سے بچ جائیں گے۔

برے کاموں اور بری خواہشات کی تکمیل بھی ایک معاشرے کے استحکام کے لیے زہر قاتل شمار ہوتی ہے۔ خداوند متعال پاک ہے اور ایک پاک صاف معاشرے کو پسند کرتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ[1]

بے شک خدا توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

بے جا خواہشات اور جنسی بے راہ روی انسان کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں اور اس بدکاری کا مرتکب انسان خود تو برباد ہوتا ہی ہے ساتھ دوسروں کو بھی خراب کرتا ہے اور ایک صحت مند معاشرے کے لیے ناسور بن جاتا ہے۔

۴۔ نفس محترم کا قتل

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ[2]

اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تا کہ تم عقل سے کام لو۔

اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو اس کی تنہائیوں کو ختم کرنے کے لیے ایک مخلوق کو شرفِ خلقت بخشا اور اپنی اس بہترین مخلوق جس کا نام انسان رکھا، کے لیے اپنی دیگر مخلوقات کو خدمت میں لگا دیا،

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ[3]

---

[1] ۔البقراء ۲۲۲

[2] ۔انعام: ۱۵۱

[3] ۔ سورہ النحل ۱۴

اور اسی نے (تمہارے لیے) سمندر کو مسخر کیا تاکہ تم اس سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زینت کی وہ چیزیں نکالو جنہیں تم پہنتے ہو اور آپ دیکھتے ہیں کہ کشتی سمندر کو چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے تاکہ تم اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور شاید تم شکر گزار بنو۔

پس وہ انسان جس کی خلقت کے ساتھ ہی اس کے لیے اللہ نے اتنی چیزیں مسخر کر دیں آخر اس کی کوئی تو قیمت ہو گی، پس اس بیش قیمت انسان کی جان اتنی سستی نہیں کہ کوئی بھی اس کو ابدی نیند سلادے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

اور جس جان کے قتل کو اللہ نے حرام کیا ہے اسے قتل نہ کرو ہاں مگر حق کے ساتھ۔

جس انسان کو اللہ نے محترم قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو۔ جس شخص کا اللہ نے خون بہانا حرام قرار دیا ہے اس سے مراد اس شخص کو قتل کرنا ہے جو قصاص، زنائے محصن، فساد فی الارض، اور ارتداد کی وجہ سے واجب القتل نہ ہو، شریعتِ مقدسہ میں اس کا قتل کرنا گناہانِ کبیرہ میں سے ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے پانچ سزاؤں کی تحدید فرمائی ہے،

ارشادِ قدرت ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا[1]

اور جو شخص کسی مومن کو عمداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہو گی اور ایسے شخص کے لیے اس نے ایک بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فقہائے کرام نے قتل کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ قتل عمدی (جان بوجھ کر قتل کرنا)

[1] سورہ النساء ۹۳

۲۔ قتل شبہ بالعمد (اس میں قاتل قتل کی نیت نہیں کرتا بلکہ کسی آپریشن یا کسی اور عمل کرتے وقت قتل ہو جاتا ہے)

۳۔ قتل خطاء (غلطی سے قتل کا ہو جانا)[1]

قتل مومن کی روک تھام کے لیے اللہ تعالیٰ نے قصاص کا حکم دیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَ

تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔

اور ساتھ ہی فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ[2]

اور اے عقل والو! تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی پیاری مخلوق کو قتل جیسے منحوس اور قبیح فعل سے بچانے کے لیے اس قصاص کو واجب قرار دیا ہے، تاکہ انسانیت کے قتل سے روکا جاسکے اور اللہ تعالیٰ نے ایک انسان کے قتل کرنے کو پوری انسانیت کے قتل کے ساتھ تشبیہ دی ہے ارشاد ہوتا ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا[3]

جس نے کسی ایک کو قتل کیا جب کہ یہ قتل خون کے بدلے میں یا زمین میں فساد پھیلانے کے جرم میں نہ ہو تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کیا۔

پس نفس محترم کا قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرمایا ہے، اس کے بارے تفسیری کتب میں تفصیل کے ساتھ بحث موجود ہے۔

۵۔ مال یتیم کی رعایت

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ[4]

---

[1] ۔ آیہ اللہ باقر ایروانی، دروس تمہیدیہ فی فقہ الاستدلالی ج ۴ ص ۲۲۳

[2] ، سورہ بقراء ۱۷۸، ۱۷۹

[3] ۔ سورہ المائدہ ۳۲

[4] ۔انعام: ۱۵۲

اور یتیم کے مال کے نزدیک نہ جانا مگر ایسے طریقے سے جو (یتیم کے لیے) بہترین ہو یہاں تک کہ وہ اپنے رشد کو پہنچ جائے۔

بچے اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت ہیں جن کی تربیت اور پرورش کرنے والے کو بھی قرآن نے "رب" کے الفاظ سے یاد کیا ہے، جب اس بچے کے سر سے ان دو ارباب (ماں یا باپ) میں سے ایک کا سایہ اُٹھ جائے تو گویا اس وقت اس بچے پر قیامت آجاتی ہے، اسلام نے یتیم کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ[1]

لہٰذا آپ یتیم کی توہین نہ کریں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ[2]

اور یہ لوگ آپ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں، کہدیجئے: ان کی اصلاح بہت اچھا کام ہے۔

گزشتہ شریعتوں میں بھی یتیم کے ساتھ شفقت اور رحمدلی کی تاکید کی گئی ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ[3]

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (اور کہا) کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور (اپنے) والدین، قریب ترین رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں پر احسان کرو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

حث الله عزوجل على برا ليتامىٰ، لانقطاعهم عن آبائهم "

---

[1]۔ سورہ الضحیٰ ۹

[2]۔ سورہ بقرہ ۲۲۰

[3]۔ بقراء ۸۳

جو شخص یتیم کی حفاظت کرتا ہے۔ خدا اس کی حفاظت کرتا ہے، کیونکہ یتیم اپنے والدین سے جدا ہوتا ہے۔[1]

معصوم علیہ السلام نے فرمایا:

الله الله فی الایتام فلا تغبوا افواهھم ولا یضیعوا بحضرتکم"

خدا کے لیے خدا کے لیے یتیموں پر توجہ دیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھوکے رہ جائیں، اور تمہاری موجودگی میں تباہ ہو جائیں۔[2]

حدیث میں آیا ہے کہ:

"جو شخص کسی یتیم کے سر پر شفقت و پیار سے ہاتھ پھیرے تو اس کے سر کے جس قدر بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے اس کی مقدار کے مطابق خداوند اس کے گناہ معاف کرے گا اور نیکیاں درج فرمائے گا۔"[3]

جس قدر زیادہ غور و حوض کیا جائے بہت سی ایسی روایات و احادیث ہیں جو یتیم کے بارے میں وارد ہوئی ہیں، اور یتیم کی اس قدر زیادہ اہمیت اور رعایت بیان کی گئی ہے کہ جو ناقابل بیان ہے، سیرتِ معصومین علیہم السلام میں یہ ملتا ہے کہ کس طرح مولا علی اور دیگر آئمہ علیہم السلام نے یتیموں کی پرورش کی تاکید کی، مولا علی علیہ السلام نے اپنی دورِ حکومت میں یتیموں مسکینوں اور بیواؤں کو جو حقوق دیے وہ کسی حکمران اور معاشرے میں آج بھی میسر نہیں ہیں۔

ضربت کے بعد وقتِ آخر مولا علی علیہ السلام نے جو وصیت فرمائی اس میں حسنین شریفین علیہما السلام کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

"تم کو خدا کی قسم اپنے پڑوسیوں کا لحاظ کرنا، تمہیں خدا کی قسم فقراء اور مساکین کا خیال کرنا اور انکو بھی اپنی روزی اور معاش میں شریک رکھنا۔"[4]

---

[1]۔ آیہ اللہ جوادی آملی۔ مفاتیح الحیات ص ۳۹۳

[2]۔ آیۃ اللہ کلینی، الکافی ج ۷ ص ۴۷

[3]۔ آیۃ اللہ شیخ محمد حسین نجفی، فیضان الرحمان فی تفسیرِ القرآن، ج ا ص ۲۵۵

[4]۔ ندائے عدالتِ انسانی ص ۴۳۹

اس کے علاوہ امام حسین علیہ السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام کی سیرت میں بھی یتیم پروری کا سبق ملتا ہے۔اس کے علاوہ جہاں تک تعلق یتیم کے مال کا ہے، تو جب روایات میں خود یتیم کی اتنی تاکید ہے تو اس کے مال کی کیا ہو گی۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

اربع حق علی اللہ تعالیٰ ان لا یدخلھم الجنة ولا یذیقھم نعیمھا:مدمن خمر، واکل الرباء،وآکل مال الیتیم بغیر حق و العاق لوالدیه

چار لوگ ایسے ہیں کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ ان کو نہ تو جنت میں داخل کرے گا اور نہ ہے اس کی نعمات کا ذائقہ انکو چکھائے گا۔

۱۔ شراب خور۔ ۲۔ سود خور۔ ۳۔ کسی یتیم کا مال ناحق کھانے والا ۴۔ والدین کا عاق شدہ[1]

ایک اور جگہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

شر الامور محدثا تھا، شر العمی عمی القلوب، شر المعذرة حین یحضر الموت، وشر الندامة یوم القیامه، شر الماکل اکل مال الیتیم، وشر المکاسب کسب الرباء

بد ترین چیز، تازہ امور ہیں، بد ترین نابینا پن، دل کا نابینا ہو جانا ہے، بد ترین معذرت موت کے وقت کی ہے، بد ترین پشیمانی، بروزِ قیامت کی پشیمانی ہے، بد ترین کھانا، یتیم کے مال کو کھانا ہے، بد ترین روزی سود کی کمائی ہے۔[2]

ایسی اور بھی بہت کی روایات ہیں مگر ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہوئے، اس فصل کو مکمل کرتے ہیں، اس فصل میں ہم نے سورہ انعام کی روشنی میں پانچ معاشرتی ابعاد کو زیر بحث لایا، جس کی اگر رعایت کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے ساتھ ساتھ انسانی شرف و کمال بھی حاصل ہوتا ہے اور ایک بہترین قرآنی معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

خداوند متعال سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے معاشرے کو تشکیل دینے کی توفیق عطا فرمائے اور اس معاشرے کی بقاء میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔آمین

---

[1]۔ کاظم عابدینی مطلق، نہج الفصاحہ، ح ۱۱۹۸، ص ۱۳۷

[2]۔ ایضاً ح ۱۹۵۰، ص ۲۳۳

باب پنجم: (قرآنی نظامِ زندگی میں عدل وانصاف کا پہلو):

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ[1]

اور ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمے داری نہیں ڈالتے اور جب بات کرو تو عدل کے ساتھ اگرچہ اپنے قریب ترین رشتے داروں کے خلاف ہی کیوں نہ جائے۔

اسلام ایک ایسے معاشرہ کا نقشہ پیش کرتا ہے کہ جس میں ایک میزان اور عدالت کو سامنے رکھ کر روز مرہ کے فیصلے جات کیے جائیں اور جس میں عدل وابصاف کا بول بالا ہو اور اس میں کسی قسم کی بے اعتدالی نہ ہو اور اس معاشرے کا ہر فرد اپنے معاملات میں میانہ روی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، ہمہ وقت عدالتِ خدا کے حضور میں اپنے آپ کو حاضر و ناظر سمجھیں۔

چونکہ عدل وانصاف بھی ایک معاشرے کے لوازمات میں سے ہے، تاہم اس کو گزشتہ فصل میں ہی ذکر کرنا چاہیے تھا مگر، گزشتہ فصل کی طوالت کے باعث ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کے لیے ایک علیحدہ فصل کو تشکیل دیا جائے تاکہ اس میں زیرِ بحث تمام مطالب کو اچھی طرح بیان کیا جاسکے۔

اس باب میں ہم درج ذیل ابعاد کو زیرِ بحث لائیں گے:

۱۔ ناپ تول میں انصاف

۲۔ ذمہ داری کی ادائیگی

۳۔ بات چیت میں عدل یا فیصلہ کرنے میں عدالت

۴۔ پیمانِ خدا کو پورا کرنا۔

۱۔ ناپ تول میں انصاف

[1] ۔انعام: ۱۵۲

کسی بھی معاشرے میں بُرائی کی ابتداء تب ہوتی ہے جب اسمیں روزمرہ کی اشیاء کے لین دین میں ناپ تول میں کمی کی جاتی ہے اور اس سے بڑھ کر جب اس معاشرے میں اس قبیح عمل کو بُرا تصور ہی نہیں کیا جاتا، ایسی ہی مثال ہمیں گزشتہ انبیاء کرام علیھم السلام کی امتوں میں ملتی ہے مثال کے طور پر۔ قرآن بعض موقعوں پر پیغمبر عالی قدر حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے کہتا ہے کہ وہ مسلسل اس پر اصرار کرتے ہیں کہ:

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ[1]

اور ناپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ[2]

اور اے میری قوم! انصاف کے ساتھ پورا ناپا اور تولا کرو۔

"القسط"

پس قرآن ایک دائمی منشور ہے اور یہ پورے معاشرے کو مخاطب کر کے کہتا ہے:

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا[3]

اور تم ناپتے وقت پیمانے کو پورا کر کے دو اور جب تول کر دو تو ترازو سیدھی رکھو، بھلائی اسی میں ہے اور انجام بھی اسی کا زیادہ بہتر ہے۔

"قسطاس" قاف کے نیچے کسرہ اور پیش کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے، اگر کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا وزن مقیاس بنے گا اور اگر ضمہ کے ساتھ ہو تو قرآن، اس کا معانی ترازہ ہے، علامہ فیض کاشانی لکھتے ہیں:

القمی عن باقر علیه السلام هوا لامیزان الذی له لسان[4]

---

[1] ۔ھود ۸۴

[2] ۔ھود ۸۵

[3] ۔الاسراء ۳۵

[4] ۔الفیض کاشانی، کتاب الصافی فی تفسیر القرآن ج ۱، ص ۹۶۹

جناب قمی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ (قسطاس) ترازو وہ میزان ہے کہ جس زبان ہو (دو پلڑوں کا توازن بتانے والی سوئی ہو)۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ جو ترازو اس سوئی کے بغیر ہوتے ہیں وہ دونوں پلڑوں کی حرکات اور توازن کو پوری طرح واضح نہیں کر سکتے، لیکن اس سوئی کے ہوتے ہوئے تھوڑی سی بھی حرکت کو دیکھا جاسکتا ہے، اسی سلسلے میں رسول خدا کا یہ فرمان بھی وارد ہوا ہے کہ:

من اقتصد فی معیشته رزقه الله و من بذر حرمه الله

جو آدمی معیشت میں میانہ روی کرتا ہے خدا اسے روزی عطا کرتا ہے اور جو آدمی اسراف کرتا ہے خدا اسے اس سے محروم کر دیتا ہے۔[1]

کم فروشی کا نقصان:

قرآن میں بارہا جگہ پر کم فرشی کی مذمت کی گئی ہے اور اس کے خاتمے کی طرف زور دیا گیا ہے، ایک مقام پر یہ مسئلہ وسیع عالم ہستی کے نظامِ خلقت کے ہم پلہ قرار دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ-أَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ[2]

اور اسی نے اس آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ تاکہ تم ترازو (کے ساتھ تولنے) میں تجاوز نہ کرو۔

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ناپ تول پورا رکھنا کم اہم مسئلہ نہیں ہے بلکہ اصل عدالت اور اس کی آفرینش کے نظم و ضبط کا حصہ ہے جو پورے عالم ہستی پر حکم فرما ہے، ایک اور جگہ پر تو دھمکی آمیز لہجہ میں ارشاد ہے:

وَيْلٌ لِلْمُطَفِّفِينَ Oالَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَO وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَO أَلَا يَظُنُّ أُولَٰئِكَ أَنَّهُمْ مَبْعُوثُونَO لِيَوْمٍ عَظِيمٍ[3]

[1]۔ الکافی ج ۲
[2]۔ سورہ الرحمٰن ۸،۷
[3]۔ سورہ المطففین ۱۔۵

ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے۔ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا تولتے ہیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔ کیا یہ لوگ نہیں سوچتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے، ۵۔ ایک بڑے دن کے لیے؟

کم تولنے کے مفہوم میں وسعت:

بعض اوقات یہ مفہوم وسعت اختیار کر جاتا ہے، اور اس میں عمومیت آجاتی ہے، اس طرح سے کہ ہر قسم کی کوتاہی اور فرائض کی انجام دہی میں کمی اس کے مفہوم میں شامل ہو جاتی ہے، لہذا وہ کاریگر جو اپنے کام میں کچھ کمی کرتا ہے، وہ استاد جو درس نہیں پڑھاتا، وہ مزدور جو بر وقت اپنے کام پر حاضر نہیں ہوتا اور دل جمعی سے کام نہیں کرتا اس حکم کے مخاطب ہیں اور اس کی خلاف ورزی اور نتائج کے حصہ دار ہیں، اس وسعت کے کا مفہوم عقلی طور ہر ثابت ہے لیکن سورہ رحمن کی جو تعبیر آئی ہے وہ اس عمومیت اور وسعت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔[1]

۲۔ استطاعت کے مطابق ذمہ داری کی ادائیگی

آج کے زمانے کے متمدن معاشروں میں اسلام کی مقبولیت اور اس کے پھیلاؤ کے کئی اسباب محققین نے بیان کیے ہیں۔ جو کہ سب ہی اہم سمجھے جاتے ہیں، مگر اس نکتے کی طرف کم توجہ کی گئی ہے، کہ اسلام کے اصول و فروع کس قدر آسان اور سہل ہیں چنانچہ اس کے سارے اصول و فروع اس کے عقائد اور احکام ہر دور می ہر شخص کو سمجھ میں آسکتے ہیں، اور نگاہوں میں روشن ہو سکتے ہیں۔ یہی وہ آسانی اور سہولت تھی کہ جس کی بناء پر لوگ جوق در جوق اسلام کے حلقے میں داخل ہوئے، کیونکہ وہ لوگ اپنے گزشتہ مذاہب کے پیچ و خم سے تھک چکے تھے، لہذا انہیں ایک ایسے مذہب کی ضرورت تھی جس میں وسعت کے ساتھ ساتھ سہل اور آسانی ہو، تثلیث پرستی اور یہودیت کے خداؤں کے مقابلے میں توحید پرستی آسان اور سہل تھی، کہ جس میں فقط ایک خدائے لم یزل ولا یزال کی ربوبیت اور الوہیت پر ایمان لانا تھا، کہ جس کا تعارف فقط ایک سورہ "التوحید" کی پانچ آیات میں اسقدر واضح اور مختصر کروایا گیا کہ اس میں کسی قسم کا کوئی ابہام اور شائبہ باقی نہیں رہتا۔ پس اسلام کے اس عقیدہ توحید کی مانند باقی عقائد اور عبادات میں بھی معموں اور فضول باتوں کے بجائے واضح اور آشارانہ طور پر

[1]۔ آیہ اللہ مکارم شیرازی تفسیر نمونہ جلد ۶ ص ۵۲۶

دعوت عمل دی گئی ہے۔ پس اسلام اس بات کا قائل ہے کہ ایسی بات جو انسان کی عقل کی وسعت سے باہر ہو اسلام اس کا قطعا حکم نہیں دیتا، بلکہ عقلی اور منطقی طریقے سے اسے بجالانے کی دعوت دیتاہے۔

اسی طرح فروعات مثلا نماز، روزہ، حج زکوۃ تاآخر میں بھی سہولت کے نکتے کو مور نظر رکھا گیاہے، نماز کو ہی اگر دیکھا جائے تو اس میں اسقدر آسانی اور سہولت موجود ہے کہ انسان بالغ ہو جانے کے بعد اس واجب کو انجام دیتاہے اور اگر سفر میں ہوں تو یہ قصر ہو جاتی ہے، اسی طرح صنفِ نازک (خاتون) کے لیے اس کے خصوصی ایام میں نماز کو معاف کیا گیاہے، مریض کے مرض کے مطابق اس نماز میں تخفیف اور شرائط میں کمی ممکن بنائی گئی ہے، اسی طرح حالتِ ضعف میں بیٹھ کر، اگر اس کی بھی سکت نہ ہو تو لیٹ کر، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اشاروں سے بھی اس فریضے کو انجام دیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح روزہ ہے۔

اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ [1]

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتاہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا۔

قرض خواہ کی تکلیف دہ حالت میں اس سے قرض کے مطالبے کی صورت میں قرآن نے نرمی کے پہلو کو اپنانے کی دعوت دی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ [2]

اور (تمہارا قرضدار) اگر تنگدست ہو تو کشائش تک مہلت دو۔

آخر میں ہم قرآن کی وہ آیت پیش کرتے ہیں کہ جس میں اللہ نے اپنے تمام قوانین اور فرائض واحکام کے لیے ایک ضابطہ معین کیاہے۔

احادیث میں اگر دیکھا جائے تو ایک مشہور و معروف حدیث ہمیں ملتی ہے کہ جس کو "اصولِ فقہ" میں ایک خاص حیثیت حاصل ہے کہ جس کی بناءپر "اصولِ عملیہ" کی حد بندی کی جاتی ہے، اور ہماری

[1] ۔ سورہ بقرہ ۱۸۵

[2] ۔ سورہ بقرہ ۲۸۰

اس بحث کے عین مطابق ہے۔ اس حدیث کو علماء کرام کی محفل میں "حدیثِ رفع" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ارشادِ رسول اکرم ﷺ ہے:

رفع عن امتی تسعة:الخطاء، النسیان، وما اکرهوا علیه، ومالایعلمون، ومالا یطیقون،وما اضطروا الیه،و الحسد، والطیرة، و التفکر فی الوسوسة فی الخلق مالم ینطق بشفة

نو(۹) چیزیں ہماری امت سے اٹھالی گئی ہیں۔ ا۔ خطا (غیر قصدی کام) ۲۔ بھول چوک ۳۔ جس چیز پر مجبور کیا گیا ہو ۴۔ جس چیر کے بارے علم نہ ہو ۵۔ جس امر میں طاقت نہ رکھتا ہو، ۶۔ جس چیز کے لیے مضطر و مجبور ہو، ۷۔ حسد (جب تک عملی مرحلے میں داخل نہ ہو، یا محسود واقع نہ ہو)، ۸۔ بدشگونی ۹۔ امر تخلیق میں شیطانی وسوسہ [1]

۳۔ بات چیت میں عدل یا فیصلہ کرنے میں عدالت

اللہ تعالی سورہ نحل میں فرماتا ہے:

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ [2]

یقیناً اللہ عدل اور احسان اور قرابتداروں کو (ان کا حق) دینے کا حکم دیتا ہے۔

اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف عدل واحسان کو پسند کرتا ہے بلکہ اس کا حکم بھی دیتا ہے، ظاہر سی بات ہے جب تک ایک معاشرہ عدل وانصاف کا عادی نہیں ہو گا اسوقت تک کسی بھی صاحبِ حق کو اس کا حق نہیں ملے گا پس تنظیم معاشرت اور صاحبِ حقوق کے حقوق کے حصول کے لیے اس اصول کو زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے۔ خود بانی شریعت حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خطاب کر کے کہا: اے حبیب ﷺ آپ فرمادیں:

وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ [3]

[1]۔ آیہ اللہ جعفر سبحانی، الموجز فی اصول الفقہ ص ۲۱۶

[2]۔ النحل: ۹۱

[3]۔ سورہ شوریٰ ۱۵

اور مجھے حکم ملا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف کرتے وقت اتباعِ نفس کی سختی سے ممانعت کی ہے، ارشاد ہوتا ہے۔

فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ[1]

لہٰذا لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کریں اور خواہش کی پیروی نہ کریں، وہ آپ کو اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی۔

امیر المؤمنین علیہ السلام عدل کے قیام کو ایک بہت اہم امر شمار کرتے ہیں، جس کے راستے میں کئی رکاوٹیں ہیں، قرآن مجید اس رکارٹ کے حقیقی وجہ، ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات کو بتاتا ہے اور تاکیدی طور پر حکم دیتا ہے کہ ان کی پیروی نہ کرو تاکہ یہ وجوہات تم کو انصاف سے نہ روک دیں۔

ارشاد ہوتا ہے:

فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا[2]

لہٰذا تم خواہش نفس کی وجہ سے عدل نہ چھوڑو۔

امیر المومنین علیہ السلام کی پوری زندگی عدل وانصاف کے قیام میں گزری، اسی وجہ آپ کو قتل کیا گیا، اور آپ کے ساتھ دشمنی کی وجہ بھی یہی بات تھی کہ آپ ہمیشہ عدل وانصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔[3]

احادیث اسلامی میں قاضی اور منصف کے آداب کے بارے میں اس کے مدعی کی طرف نگاہ کورے اور بات کرنے کے سلسلے میں بہت قیمتی روایات آئی ہیں۔ امیر المؤمنین علیہ السلام اپنے قاضی کو اس طرح حکم دیتے ہیں:

ثم واس بین المسلمین بوجھک و منطقک و مجلسک حتیٰ لا یطمع قریبک فی حیفک ولا ییاس عدوک من عدلک

---

[1] ۔ سورہ ص ۲۶

[2] ۔ نساء ۱۳۵

[3] ۔ آقای علی حسین خامنہ ای، شخصیت علی، ص ۴۱

مسلمانوں کے درمیان نظر کرنے، بات کرنے، اور اپنے بیٹھنے کی جگہ میں مساوات رکھوتاکہ تیرے قریبی طمع کی نظر تجھ پر مت ڈالیں، اور تیرے دشمن تیرے عدل و انصاف سے مایوس نہ ہوں۔[1]

امیر المومنین علیہ السلام خلیفہ دوم سے کہتے ہیں، "تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو تو اپنے دل میں جگہ دے اور اس پر عمل کرے تو وہ تجھے دوسری چیزوں سے بے نیاز کر دیں گی، اگر ان کو ترک کر دے گا تو تجھے دوسری چیزوں پر عمل کرنا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا،

خلیفہ نے پوچھا وہ تین چیزیں کیا ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

اقام الحدود علی القریب والبعید، ولحکم بکتاب الله فی الرضاء و السخط، والقسم بالعدل بین الاحمر و الاسود

۱۔ قریب اور دور والوں پر حدود قائم کرنا۔

۲۔ کتاب خدا کے مطابق رضا ور غبت سے فیصلہ کرنا۔

۳۔ تقسیم کرنے میں سفید و سیاہ کے درمیان عدل کرنا۔[2]

۴۔ پیمانِ خدا کو پورا کرنا: (وبعهد الله اوفوا)

بہت سے معاشرتی رابط، اقتصادی نظام، اور سیاسی مسائل عہد و پیمان کے گرد گھومتے ہیں اور عہد وپیمان متزلزل ہو جائے اور اعتماد اٹھ جائے اور اعتماد اٹھ جائے تو معاشرے کا نظام تیزی سے درہم برہم ہو جائے اور اس پر وحشتناک حرج مرج مسلط ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ قرآنی آیات میں ایفائے عہد پر بہت زور دیا گیا ہے۔

قرآن واحادیث میں ایفائے عہد پر بہت زور دیا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا[3]

---

[1]۔ علامہ حر عاملی، وسائل الشیعہ الی تحصیل مسائل الشریعہ، ج ۱۸، ص ۱۵۵

[2]۔ ایضا ج ۱۸، ص ۱۵۶

[3]۔ سورہ اسراء ۳۴

اور عہد کو پورا کرو، یقیناعہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

نیک لوگوں کی تعریف کرتے ہوئے قرآن فرماتا ہے،:

وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ[1]

اور وہ جو اپنی امانتوں اور معاہدوں کا پاس رکھنے والے ہیں۔

حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے کہ وعدے کی وفاداری کرنا مومن کی نشانیوں میں سے ایک ہے:

من كان يومن بالله واليوم الآخر فليف اذا وعده

جو شخص خدا اور روزآخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کو چاہیے کہ اپنے وعدے کو پورا کرے۔[2]

ایفائے عہد کی معصومین علیہم السلام کی طرف سے بہت تاکید کی گئی ہے تاہم ہمارا موضوعِ بحث فقط ایفائے عہد نہیں بلکہ اللہ کے وعدوں کو پورا کرنا ہے (وبعهد الله اوفوا)۔ قرآن میں کئی مقامات پر "عہد" کا لفظ اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ آیا ہے، سوال یہ ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کو ایفاء کرنے سے کیا مراد ہے؟

عہد اللہ سے تین طرح کے مفہوم کو سمجھا گیا ہے۔

۱۔ خدا کی قسم یا نذر وغیرہ

۲۔ خدا کے احکام و قوانین (فروعات)

۳۔ فطری اور تکوینی عہد وپیمان جو انسان کی فطرت میں پنہاں ہیں

۱۔ قسم ونذورات:

جہاں تک تعلق خدا کی قسم ونذورارت وغیرہ کا ہے تو اس کے معاملے میں یہ کہ یہ ایک فقہی مسئلہ بھی ہے، "نذر" کی تعریف میں آیا ہے کہ:

النذر هو الالتزام بعمل لله تعالىٰ على نحو مخصوص، ولا ينعقد بمجرد النية،بل لا بد من الصيغة، وهى ماكان مفادها جعل فعل او ترک

[1]۔ المومنون ۸

[2]۔ آیۃ اللہ جعفر سبحانی، تفسیر موضوعی ج۱ص ۱۵۴

علیٰ ذمته لله تعالیٰ، بان یقول" لله علی ان اصوم، اوان اترک شرب الخمر[1]

نذر سے مراد ایک کام کو خالصتاً اللہ کے لیے انجام دینا ہوتا ہے، اس میں صرف نیت ہی کافی نہیں بلکہ صیغہ کا کہنا بھی ضروری ہے، نذر اس بات میں ہوتی ہے کہ کوئی اچھا کام اللہ کے لیے انجام دیا جائے گا یا کسی برے کام کو ترک کیا جائے گا، مثال کے طور پر اس طرح کہا جائے کہ میں اللہ کے لیے روزہ رکھوں گا یا اللہ کے لیے شراب خوری کو ترک کر دوں گا۔

ہماری فقہ کے مطابق نذر کو ادا نہ کرنے والا عہد کو وفا نہ کرنے والے کی طرح ہے، پس وہ شخص گناہ گار بھی ہو گا اور اس پر کفارہ بھی عائد ہو گا۔[2]

قرآن میں نذر کو ادا کرنے والے کی مدح سرائی کی گئی ہے، خصوصاً وہ نذر جو خاندانِ نبوت و طہارت نے حسنین شریفین علیہم السلام کے ایامِ علالت میں مانی تھی اور پھر اس کو ادا کیا اور اسی کی شان میں سورہ دھر میں یہ آیات آئیں:

یوفون بالنذر ویخافون یوم کان شره مستطیرا-ویطعمون الطعام علیٰ حبه مسکینا ویتیماواسیرا- انما نطعمکم لوجه الله لانرید منکم جزاء ولا شکوراً

جو نذر کو پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی برائی ہر طرف پھیلی ہوئی ہو گی، اور اپنی خواہش کے باوجود مسکین یتیم اور اسیر کو کھانا کھلاتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمہیں صرف اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں، ہم تم سے نہ تو کوئی معاوضہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری۔[3]

مختصر یہ کہ وہ تمام حدود و قیود جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کی رعایت کرنا اللہ کے ساتھ ایفائے عہد کرنے کے مترادف ہے چاہے وہ احکام و قوانین کی صورت میں ہوں یا انسان کی فطرت کی صورت۔

---

[1]۔ آیۃ اللہ امام خمینی، تحریر الوسیلہ، ج ۲، ص ۵۹۹

[2]۔ آیۃ اللہ علی حسینی سیستانی، توضیح المسائل ص ۴۱۲

[3]۔ سورہ الدھر ۷۔۸۔۹

۲۔ فطرت:

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں کچھ احکام کو دکھ دیا ہے جس کو انجام دینے کے لیے اس کی فطرت اس کو ابھارتی ہے اور انسان فطرتاً کچھ افعال کو انجام اس لیے دیتا ہے کہ فطرت نے اسے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسے ماں باپ سے محبت، اور کچھ امور سے اس لیے اپنے آپ کو بچاتا ہے کہ فطرتِ انسانی اس کو اس کے انجام دینے سے روکتی ہے۔ جیسے ظلم کو بُرا سمجھنا وغیرہ۔ آخر میں ہم سورہ روم کی آیت کو استدلال کے طور پر ذکر کریں گے ارشاد ہوتا ہے:

فاقم وجھک للدین حنیفا،فطرت الله التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق الله،ذالک الدین القیم، ولکن اکثر الناس لا یعلمون

پس (اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ باطل سے کنارہ کش ہو کر اپنا رخ دین (حق) کی طرف رکھیں، یعنی اس دین کی پیروی کریں جس پر اس نے انسانوں کو پیدا فرمایا ہے، اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں ہے یہی سیدھا دین ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔[1]

اس آیت میں فطرت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شیئ کی تخلیق اس طرح کی ہے کہ اس میں کچھ کرنے کی استعداد موجود ہے، اس آیت میں "فطر الناس" میں اس معرفت الٰہی کی طرف اشارہ ہے کہ جو تخلیقی طور پر انسان کے اندر رودیعت کی گئی ہے، لہذا فطرۃ اللہ سے مراد معرفت الٰہی کی استعداد ہے،[2] آیت میں ظاہری خطاب پیغمبر گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ہے مگر یہ خطاب تمام امت کو ہے، یعنی جب شرک والحاد کے پردے ہٹ جائیں تو پوری یکسوئی کے ساتھ دین فطرت کو اپنت توجہ کا مرکز بناؤ، جو انسانی جبلت و فطرت کے تمام جنسی، معاشرتی، سیاسی، اور اجتماعی، ماودی و روحانی تقاضے کو پورا کرتا ہے۔ اسی لیے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

کل مولود یولد علی فطرة الاسلام ثم ابوه یھودانه اوینصرانه یمجسانه[3]

---

[1]۔ سورہ الروم ۳۰

[2]۔ امام راغب اصفہانی، مفردات القرآن ج ۲ ص ۲۴۶

[3]۔ شہید مطہری، فطرت ص ۴۲

ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنادیتے ہیں۔

چنانچہ امام صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: ما تلک الفطرۃ، یعنی فطرت کیا ہے،؟
امام علیہ السلام نے جواب دیا: اس سے مراد اسلام ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا جبکہ عالمِ ذر میں ان سے عہد لیا گیا تھا کہ "الستُ بربکم ؟" کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔[1]

واضح رہے کہ فطرت کے تقاضے خلقت کے ماوراء میں ودیعت ہیں خود خلقت نہیں ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں آیا کہ " قال ربناالذی اعطیٰ کل شیءخلقہ ثم ھدیٰ "[2] اس میں ہے کہ انسان میں کلقت کے بعد ہدایت ودیعت ہوئی ہے، پس جس طرح تمام مخلوقات کی بقاء وارتقاء کے لیے اسمیں ہدایت ودیعت ہوئی ہے اسی طرح شریعت نے اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ اللہ نے فطرت میں اس بات کی سوجھ بوجھ ودیعت فرمائی کہ معاشروں میں عدل وانصاف ہونا چاہیے۔

ارشاد ہوتا ہے:

" ونفس وما سوھا-فالھمھا فجورھا وتقوھا"

اور قسم ہے نفس کی اور اس کی جس نے اسے معتدل کیا اور پھر اس نفس کو اس کی بدکاری اور اس سے بچنے کی سمجھ دی۔[3]

پس اس آیت میں فطرت (نفس) کو بدکاری سے بچنے کی سمجھ دی گئی ہے اور یہی وہ عہد ہے جسکو ہر حال میں انسان نے پورا کرنا ہے تاکہ بروزِ قیامت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخ روئی حاصل ہو۔

اس فصل میں اس درج بالا چار نکات کو حدِ اقل تفصیل کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے، طوالت سے سبب اس فصل کو اسی مقام پر ختم کرنا ہوگا ورنہ دامنِ علم میں اسقدر وسعت موجود ہے کہ اس پر جتنے صفحات لکھے جائیں کم ہیں۔

[1]۔ الشیخ محمد حسین نجفی، فیضان الرحمان فی تفسیر القرآن ج ۷ ص ۳۴۷

[2]۔ سورہ طہ ۵۰

[3]۔ سورہ الشّمس ۷۔۸

نتیجہ :

اب تک ہم نے اس طرزِ زندگی کو بیان کی جس کا ہم کو قرآن حکم دیتا ہے، قرآن ایک دائمی منشور ہے، اس کے بعد قیامت تک اب کوئی الٰہی صحیفہ نازل نہیں ہونا چنانچہ اس میں زندگی گزارنے کے جو اصول وضوابط بیان ہوئے ہیں وہ قیامت تک قابل تقلید ہیں، اور اگر منطقی و فلسفی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ اصول وضوابط ابدی بھی ہیں اور انسان کے ارتقاء کے ضامن بھی، مدینہ کے بدو اور وحشی انسانوں نے انہی اصولوں کے مطابق زندگی گزاری اور کئی سو سالوں تک دنیا پر حکمران رہے، قرآن میں دیگر مقامات پر کچھ اور اصول بھی ذکر ہیں تاہم اگر دیکھا جائے تو یہ دس اصول باقی اصولوں کا خلاصہ ہیں یا یوں بھی کہا جاس کتا ہے کہ ان دس اصولوں میں اتنی جامعیت اور عمومیت موجود ہے کہ دیگر اصولوں کو یہ اپنے تہہ دامن لیے ہوئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اصولوں کو روبہ عمل لایا جائے اور ان کو معاشرے میں پھیلایا جائے اور یہ کام امر و نہی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہی سنت خدا اور سنت رسول ﷺ ہے اور تمام آئمہ معصومین علیھم السلام کی تبلیغات و تعلیمات کا عشرِ عشیر یہی نکاتِ عشرہ ہیں۔

اور اگر گزشتہ امتوں کی بات کی جائے تو ان کو بھی انبیائے کرام کے ذریعے انہی کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو کوہِ طور پر احکام ملے تھے وہ بھی دس تھے اور ان میں سے اکثر احکام یہی تھے، جیسا کہ تورات میں آیا ہے کہ :

جب بنی اسرائیل فرعون سے نجات پاکر سینا کے بیابان میں آگئے تو لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے التجا کی کہ آپؑ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لیے بات کریں کہ اللہ ہم سے کیا چاہتا ہے پس حضرت موسیٰؑ کوہِ سینا (کوہِ طور) پر گئے اور اللہ تعالیٰ سے کلام کیا، اللہ تعالیٰ نے جو کچھ حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا وہ یہ تھا کہ : خدا نے کہا نیچے اتر جا اور ہارون کو اپنے ساتھ لے کر اوپر آ، پر کاہن اور عوام حدیں توڑ کر خداوند کے پاس اوپر نہ آئیں ایسا نہ ہو کہ وہ اس پر ٹوٹ پڑے۔ چنانچہ موسیٰ نیچے اتر کر لوگوں کے پاس گیا اور یہ باتیں ان کو بتائیں۔ اور خدا نے یہ سب باتیں بتائیں کہ۔

"خداوند تیرا خدا جو تجھے ملکِ مصر سے اور غلامی کے گھر سے نکال لایا میں ہوں۔"

"میرے حضور تو غیر معبودوں کو نہ ماننا"۔

''تو اپنے لیے کوئی تراشی ہوئی مورت نہ بنانا۔ نہ کسی چیز کی صورت بنانا جو اوپر آسمان میں یا نیچے زمین پر یا زمین کے نیچے پانی میں ہے۔'' تو انکے آگے سجدہ نہ کرنا اور نہ انکی عبادت کرنا کیونکہ میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں اور جو مجھ سے عداوت رکھتے ہیں ان کی اولاد کو تیسری اور چوتھی پشت تک باپ دادا کی بدکاری کی سزا دیتا ہوں۔ اور ہزاروں پر جو مجھ سے محبت رکھتے ہیں اور میرے حکموں کو مانتے ہیں رحم کرتا ہوں۔

تو خداوند اپنے خدا کا نام بے فائدہ نہ لینا کیونکہ جو اس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا۔

یاد کر کے تو سبت کا دن پاک ماننا۔ چھ دن تک تو محنت کر کے اپنا سارا کام کاج کرنا۔ لیکن ساتواں دن خداوند تیرے خدا کا سبت ہے اس میں یہ تو کوئی کام کرے نہ تیرا بیٹا نہ تیری بیٹی نہ تیرا لونڈی نہ تیرا چوپایا نہ کوئی مسافر جو تیرے ہاں تیرے پھاٹکوں کے اندر ہو۔ کیونکہ خدا نے چھ دن میں آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ اب میں ہے وہ سب بنایا اور ساتویں دن آرام کیا۔ اس لیے خدا نے سبت کے دن کو برکت دی اور اسے مقدس ٹھہرایا۔

تو اپنے باپ اور اپنی ماں کی عزت کرنا تاکہ تیری عمر اس ملک میں جو خداوند تیرا خدا تجھے دیتا ہے دراز ہو۔

''تو خون نہ کرنا''۔

''تو زنا نہ کرنا''۔

''تو چوری نہ کرنا''۔

''تو اپنے پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا''۔

''تو اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ نہ کرنا۔ تو اپنے پڑوسی کی بیوی کا لالچ نہ کرنا اور نہ اسکے غلام اور اس کی لونڈی اور اس کے بیل اور اس کے گدھے کا اور نہ اپنے پڑوسی کی کسی اور چیز کا لالچ کرنا''[1]۔

---

[1] ۔تورات خروج باب ۲۰، ۱۹

درج بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل تورات کے لیے تورات نے بھی چند احکام ایسے بیان کیے ہیں جو ان کے طرزِ زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔اب یہودی معاشرے نے اسے کس حد تک اپنایا یہ مسئلہِ ثانوی ہے۔ بہر حال تورات میں بھی وہ دس احکام ایسے موجود ہیں، جن پر یہودی معاشرہ فخر کرتا ہے،ان کو فلم کی صورت میں بھی پیش کیا گیا ہے[1]۔س کے ذریعے انہوں نے اپنی مذہبی حیثیت پیش کی ہے۔دراصل یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہی انکی تعلیمات کی اساس ہیں۔یہ دس تعلیمات حسبِ ذیل ہیں:

۱۔غیر خدا کو سجدہ نہ کرنا۔

۲۔خدا کا نام بلاوجہ زبان پر جاری نہ کرنا۔

۳۔ہفتہ کے دن تعطیل کرنا۔

۴۔ماں باپ کا احترام کرنا۔

۵۔کسی کو قتل نہ کرنا۔

۶۔زنا نہ کرنا۔

۷۔چوری نہ کرنا۔

۸۔اپنے ہمسائے کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دینا۔

۹۔اپنے ہمسائے کے گھر میں طمع نہ کرنا۔

۱۰۔ہمسائے کی بیوی،غلام، کنیز، گائے،اور گدھے کو للچاتی ہوئی نظر سے نہ دیکھنا۔

قرآنی نظامِ زندگی ایک دائمی منشور:

درج بالا دس احکام جو قرآن اور تورات میں ذکر ہیں اگر انکا طائرانہ طور پر موازنہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ قرآن کی تعلیمات عمومی اور ابدی ہیں کیونکہ اب قیامت تک نہ شریعت منسوخ ہوگی اور نہ ہی کسی اور کتاب کو اب آنا ہے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں وہ سب بیان کر دیا ہے جس کی کسی بھی کامل اور دینی معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے تاہم اور قرآن میں موجود سورہ انعام اور تورات کے ان دس احکام کو سامنے رکھا جائے تو درج ذیل نتیجہ زیرِ ہاتھ آتا ہے:

---

[1] WWW.Ten Commandments.COM/ Lifehopeandtruth.com.

۱) گواہی دینے کے متعلق قرآن میں عموم پایا جاتا ہے، قرآن نے نا صرف ہمسائے بلکہ ہر شخص کے لیے جھوٹی گواہی دینا مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔
۲) قرآن میں نہ صرف زنا بلکہ وہ تمام افعال کہ جو جنسی بے راہ روی کا موجب بنتے ہیں ان سب سے ممانعت فرمائی ہے
۳) قرآن میں نہ صرف والدین کے لیے احترام کا حکم دیا ہے بلکہ والدین سے احسان اور نیکی کرنے کا بھی حکم دیا ہے۔
۴) قرآن میں والدین کے ساتھ ساتھ اولاد کے حقوق کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔
۵) قرآن میں یتیم کے متعلق احکام کی حد بندی کی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب تک یتیم کی رضا شامل نہ ہو اس کے مال میں تصرف کرنا درست نہیں ہے۔
۶) تورات میں محض گواہی کے متعلق کہا گیا ہے مگر قرآن میں گواہی کے ساتھ ساتھ گفتار میں، ناپ تول میں، اور حتیٰ رشتہ داروں کے ساتھ لین دین میں حدِ اعتدال برتنے کا حکم دیا گیا ہے۔
پس ان تمام نگارشات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ قرآن نے ہمیں زندگی گزارنے کا ایک دائمی منشور عطا کیا ہے کہ جس میں ہمیں وہ تمام حقوق میسر آتے ہیں جنکی توقع رکھنی چاہیے اور جس حقوق کی ایک صحت مند معاشرے کو ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ O يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ[1]

بتحقیق تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو امن و سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے جو اس کی رضا کے طالب ہیں اور وہ اپنے اذن سے انہیں ظلمتوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے اور انہیں راہ راست کی رہنمائی فرماتا ہے۔

[1]۔ المائدہ ۱۵۔۱۶

منابع

۱۔ نجفی، شیخ محسن علی، القرآن الکریم، ، اشاعت اول ۲۰۰۰، دارالقرآن، جامعہ اہل بیت اسلام آباد

۲۔ مجلسی، الشیخ محمد باقر۔ بحار الانوار الجامعۃ للدر راخبار الآئمۃ الاطہار، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۳ھ، موسسۃ الوفاء بیروت لبنان

۳۔ الکلینی، ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب، اصول الکافی، ۱۳۸۵ش، انتشارات اسوہ قم

۴۔ الجرجانی، العلامہ علی ابن محمد الشریف لحسنی الحنفی کتاب التعریفات: ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۳۳، دار النفائس بیروت

۵۔ الجوھر، الامام اسماعیل بن حماد معجم الصحاح: ، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۶، دار المعرفہ البیروت

۶۔ الابی الحسین احمد بن فارس بن زکریا معجم المقاییس فی اللغۃ: ، دار الفکر بیروت

۷۔ مترجم ابن سرور محمد اویس المعجم الوسیط، ، ناشر مکتبہ رحمانیہ

۸۔ خمینی، سید روح اللہ الموسوی، مترجم شیخ محمد علی توحیدی، تفسیر و شواہدِ قرآنی، اشاعت اول ۲۰۱۵ء، معراج کمپنی لاہور

۹۔ الشریف، علامہ رضیؒ، مترجم علامہ مفتی جعفر صاحب اعلی اللہ مقامہ، نہج البلاغہ، طبع اول ۱۴۳۴ھ، نیاز کمپنی ۳۸۔ اردو بازار لاہور

۱۰۔ آملی، آیۃ اللہ جوادی، تفسیر موضوعی قرآن کریم (توحید در قرآن)، طبع ھفتم ۱۳۹۳ش، مرکزِ نشر اسراء قم ایران

۱۱۔ شیرازی، آیت اللہ مکارم، ہمارے عقائد، طبع اول ۲۰۱۳، معراج کمپنی لاہور

۱۲۔ حلی، علامہ حسن بن یوسف رحمۃ اللہ علیہ مترجم استاد محسن غرویان، باب حادی عشر، طبع اول ۱۳۸۶ش، مؤسسہ انتشارات دار العلم قم ایران

۱۳۔ فاضل علامہ مقداد علیہ الرحمہ مترجم سید محمد قاسم صاحب قبلہ زیدی، احسن العقائد، رحمت اللہ بک ایجنسی کراچی

۱۴۔ النراقی، محمد مہدی رحمۃ اللہ علیہ، جامع السعادات، الطبعۃ الرابعۃ، مؤسسہ الاعلمی للمطبوعات بیروت لبنان

۱۵۔ مفتی، جعفر حسین مرحوم (مترجم)۔ صحیفہ کاملہ سجادیہ، طبع اول ۲۰۱۲ء، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

۱۶۔ شیرازی، آیت اللہ مکارم، مترجم علامہ سید صفدر حسین مرحوم، تفسیر نمونہ، ۲۰۱۳، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

۱۷۔الطبرسی،الشیخ ابی الفضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن،الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۸ھ،دارالمعرفہ بیروت لبنان

۱۸۔ نقوی، علامہ سید علی نقی، حجاب، ۲۰۱۵ معراج کمپنی لاہور

۱۹۔ایروانی،آیہ اللہ باقر، دروس تمہیدیہ فی فقہ الاستدلالی،الطبعۃ الثانیۃ العشرۃ ۱۳۹۶ش، مرکز الجامعہ المصطفیٰ العالمیہ للترجمہ والنشر الباکستان

۲۰۔،ڈاکٹر محمود رامیا، تاریخ القرآن، ۲۰۱۳، مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

۲۱۔تورات، ۲۰۱۱، پاکستان بائیبل سوسائٹی انارکلی لاہور

۲۲۔اصفہانی، امام راغب: المفردات القرآن، ناشر شمس الحق لاہور

۲۳۔۔ جارج جرداق، مترجم سید محمد باقر النقوی، ندائے عدالتِ انسانی، طبع اول ۲۰۰۱، مکتبۃ الھمدانی تلہ گنگ

۲۴۔ سبحانی، آیہ اللہ جعفر، الموجز فی اصول الفقہ، الطبعۃ الاولی ۱۴۳۳ھ، مرکز الجامعہ المصطفیٰ العالمیہ للترجمہ والنشر الباکستان

۲۵۔کاظم عابدینی مطلق، نہج الفصاحہ، طبع چہارم ۱۳۹۴ش، آفرینہ قم ایران

۲۶۔الفیض کاشانی۔ محمد بن مرتضیٰ، کتاب الصافی فی تفسیر القرآن، طبع پنجم، المکتبہ الاسلامیہ تہران ایران

۲۷۔خامنہ ای، اقای علی حسینی، شخصیت علی، ۲۰۱۵، معراج کمپنی لاہور

۲۸۔ سبحانی، آیۃ اللہ استاد جعفر تفسیر موضوعی قرآن کا دائمی منشور،، ۲۰۱۳، مصباح القرآن لاہور

۲۹۔ خمینی، آیۃ اللہ امام روح اللہ موسوی، تحریر الوسیلہ، الطبعۃ الاولی ۱۴۲۱ھ موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ تہران ایران

۳۰۔النجفی، آیت اللہ الشیخ محمد حسین، فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن،، ۲۰۱۵، مصباح القرآن۔

۳۱۔السیستانی، آیۃ اللہ علی حسینی، توضیح المسائل، طبع اول ۱۴۱۴ھ، جامعہ تعلیمات السلامی پاکستان کراچی

۳۲۔ مظفر، علامہ الشیخ محمد رضا، عقائد امامیہ،، مترجم مولانا سید صفدر حسین نجفی، ۲۰۱۴، معراج کمپنی لاہور

۳۴۔امام سجاد علیہ السلام مترجم، قبلہ محمد علی توحیدی، رسالۃ الحقوق،، ۲۰۱۵، العتبۃ الحسینیہ المقدسہ

۳۳۔ شہید مطہری، سید مرتضیٰ، فطرت، ۲۰۱۵، معراج کمپنی

۳۵۔ دیوان علامہ اقبال، ۲۰۱۲، اقبال اکادمی پاکستان

۳۶۔ الحر العاملی،الامام الشیخ محمد بن الحسن،وسائل الشیعہ الیٰ تحصیل مسائل الشریعہ۔ الطبعۃ السادسۃ ۱۹۹۱، دارالاحیاءالتواث العربی بیروت۔
۳۷۔ شہید مطہری،استاد سید مرتضیٰ، عورت پردے کی آغوش میں،،مترجم سید محمد موسیٰ رضوی،۱۹۹۶، دارالثقافہ الاسلامیہ پاکستان
۳۸۔الیعقوبی،احمد بن یعقوب ابن واضح،مترجم استاد ثاقب اکبر تاریخ یعقوبی،،۲۰۱۵،البصیرہ اسلام آباد
۳۹۔رضا محمد یوسف،قرآن اور دیگر آسمانی کتب کی طرزِ زندگی کا تقابلی جائزہ۔۲۰۱۸ء،جامعہ المصطفیٰ العالمیہ اسلام آباد
Ten Commandments (www.Ten Commandments.COM/ Lifehopeandtruth.com.40)

وہ کتب جن سے استفادہ کیا گیا:
۱۔پیام قرآن،آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی۔مترجم مولانا سید حسنین عباس گردیزی،مصباح القرآن لاہور
۲۔ مضامین القرآن،حاجی ناصر علی مہندس،مصباح القرآن لاہور
۳۔آداب فہم قرآن،سید جواد نقوی۔ ۲۰۱۲ متاب پبلشر
۴۔آئینۂ حقوق، قدرت اللہ مشائخی،معراج کمپنی لاہور
۵۔دائرہ المعارف القرآن الکریم،پژوھشگاہ علوم وفرھنگ اسلامی مرکز فرھنگ ومعارف قرآن قم
۶۔دائرہ المعارف الاسلامیہ،دارالمعرفۃ بیروت
۷۔ مفاتیح الحیاۃ، حضرت آیت اللہ جوادی آملی،مترجم سید ظفر حسین نقوی،۔ معراج کمپنی لاہور
۸۔ تحریر الوسیلہ، حضرت آیت اللہ امام روح اللہ الموسوی الخمینی،موسس تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ
۹۔ مبانی تکملۃ المنھاج، حضرت آیت اللہ سید ابوالقاسم الخوئی،مطبعۃ الآداب نجف اشرف
۱۰۔ مجموعہ منتخب مقالات(قرآنی طرزِ زندگی سیمینار ۲۰۱۷)المصطفیٰ انٹر نیشنل یونیورسٹی اسلام آباد کیمپس